تیسرا شہزادہ

تیسرا شہزادہ

چیکوسلواکیہ کی کہانیاں

سیف الدّین حسّام

۱۹۷۶

فہرست

جادُو کا گھوڑا

بُہت عرصہ گزرا، کسی مُلک میں سُورج نِکلنا بند ہو گیا اور دِن بھی راتوں کی طرح سیاہ ہو گئے۔ ہر طرف اُداسی اور خامُوشی چھائی رہتی۔ اندھیرے میں بھلا کیا رونق ہو سکتی ہے۔

خوش قسمتی سے اُس ملک کے بادشاہ کے پاس ایک ایسا جادُو کا گھوڑا تھا جس کے ماتھے سے سُورج کی طرح روشنی کی شعاعیں چھوٹتی تھیں۔ اگر یہ گھوڑا نہ ہوتا تو لوگ تنگ آ کر مُلک چھوڑ جاتے کیوں کہ سُورج کے نہ ہونے سے نہ وہاں سبزی اُگتی، نہ پھل پھُول پیدا ہوتے۔ بادشاہ اس گھوڑے کو ملک بھر میں گھُماتا رہتا تا کہ ہر جگہ رُوشنی اور گرمی پہنچ سکے۔ گھوڑا جس جگہ پہنچتا وہاں دِن کا سماں ہو جاتا اور

لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصرُوف ہو جاتے۔

پھر ایک دِن ایسا ہوا کہ جادُو کا گھوڑا اچانک غائب ہو گیا۔ گھوڑے کا غائب ہونا تھا کہ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہ دیتا تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے لوگ خود زدہ ہو گئے۔ سب کاروبار رُک گئے اور جان داروں کے لیے زندہ رہنا مُشکل ہو گیا۔ لوگ تنگ آ کر مُلک چھوڑنے کی تیّاریاں کرنے لگے۔ یہ بات بادشاہ کے لیے بہت پریشان کُن تھی۔ جب رعایا ہی نہیں ہو گی تو بادشاہ حکومت کس پر کرے گا۔ بادشاہ نے رعایا کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کیا کہ ہر قیمت پر گھوڑے کو واپس لانے کی کوشش کی جائے۔ اس نے فوج کو حکم دیا کہ مُلک کا چپّا چپّا چھان مارا جائے اور خُود بھی فوج کا ایک دستہ ساتھ لے کر گھوڑے کی تلاش میں نِکل کھڑا ہوا۔

گھوڑے کو تلاش کرتے کرتے وہ ایک ایسے مُلک میں پہنچا جہاں سُورج پوری طرح روشن تھا۔ ہر چیز دھوپ میں چمک رہی تھی۔ ہرے بھرے درختوں پر پرندے چہچہا رہے تھے اور کھیتوں میں فصلیں لہلہا رہی تھیں۔ بادشاہ اور اُس

کے ساتھیوں نے سوچا کہ گھوڑا سرحد پار کر کے اُس ملک میں آ گیا ہے۔ اُنہوں نے گھوڑے کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔

اچانک اُنہیں ایک جھونپڑی دکھائی دی۔ بادشاہ نے سوچا کہ شاید جھُونپڑی میں رہنے والوں نے گھوڑے کو دیکھا ہو۔ وہ جھونپڑی میں داخل ہوا۔ لیکن وہاں صرف اب اُدھیڑ عُمر کا آدمی تھا جو کتاب پڑھ رہا تھا۔ اُس آدمی کی بادشاہ پر نظر پڑی تو وہ ادب سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے اُس کی شکل صورت اور طور طریقوں سے اندازہ لگایا کہ یہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔

اس آدمی نے بادشاہ سے کہا۔ ”حضور، میں ابھی آپ ہی کے متعلّق پڑھ رہا تھا۔ آپ یقیناً اُس جادُو کے گھوڑے کی تلاش میں ہیں جو اچانک غائب ہو گیا ہے۔ آپ اپنا قیمتی وقت کیوں ضائع کر رہے ہیں؟ جا کر حکُومت کا کاروبار سنبھالیں کیوں کہ اوّل تو آپ کو گھوڑے کی کُچھ خبر ہی نہیں اور اگر پتا چل بھی گیا کہ گھوڑا کہاں ہے تو آپ اُسے حاصل نہ کر سکیں گے۔ یہ کام آپ مُجھ پر چھوڑ دیں اور میری مدد کے لیے اپنے ایک آدمی کو یہاں چھوڑ جائیں؟“

”بہتر ہے۔“ بادشاہ نے جواب دیا۔ ”اگر میرا گھوڑا مُجھے مل گیا تو میں تُمھیں مُنہ مانگا انعام دوں گا۔“

وہ آدمی بولا۔ ”مُجھے انعام کا لالچ نہیں۔ آپ فوراً اپنے مُلک واپس جائیے، وہاں آپ کی زیادہ ضرورت ہے۔ “

بادشاہ مُطمئن ہو کر اپنے مُلک واپس چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد وہ آدمی، جو اصل میں نجومی تھا، دوبارہ مطالعے میں مصروف ہو گیا۔ دوسرے دِن نجومی اور اُس کا ساتھی، جو بادشاہ نے اُس کی مدد کے لیے اُس کے پاس چھوڑ دیا تھا، جادُو کے گھوڑے کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔ اُنہوں نے چھ مُلکوں کا سفر کیا۔ جب وُہ ساتویں مُلک میں داخل ہُوئے تو اُنہیں ایک شاہی محل نظر آیا۔

اس مُلک پر تین ظالم بھائیوں کی حکُومت تھی اور وُہ محل اُنہی کا تھا۔ اُن بھائیوں نے جن لڑکیوں سے شادیاں کی تھیں وُہ بھی آپس میں بہنیں تھیں۔ لڑکیوں کی ماں سمترا بھی اُن کے ساتھ ہی محل میں رہتی تھی۔ سمترا دراصل جادُوگرنی تھی۔

محل دیکھ کر نجومی نے اپنے ساتھی کو وُہیں ٹھہرنے کو کہا اور خُود اِن تینوں بھائیوں کے متعلّق جاننے کے لیے محل کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ اس مقصد کے لیے اُس نے اپنے آپ کو سبز طوطے کی شکل میں تبدیل کر لیا اور اُڑ کر محل میں داخل ہو گیا۔

کھڑکی کے شیشے پر اپنی چونچ سے ٹک ٹک کر کے اُس نے سب سے بڑے بھائی کی ملکہ کی توجّہ اپنی طرف کرنے کی کوشش کی۔ اُسے دیکھ کر ملکہ نے کھڑکی کے پٹ کھول دیے۔ طوطا بڑے پیار سے کبھی ملکہ کے ہاتھ پر بیٹھتا کبھی کندھے پر۔ ملکہ سوچنے لگی کہ جب بادشاہ اُس کے پاس آئے گا تو وہ اُسے طوطے کا تحفہ پیش کرے گی۔ وہ بُہت خوش ہو گا۔

ملکہ کو طوطے سے کھیلتے ہوئے کچھ ہی دیر گُزری تھی کہ اچانک اُس کی ماں سمترا کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ طوطے کو دیکھتے ہی چلّائی۔

اس طوطے کی گردن مروڑ دو، بیٹی۔ اِسے فوراً جان اسے مار ڈالو، ورنہ بڑا خون خرابا ہو گا۔"

ملکہ حیران ہو کر بولی۔ ”امّی، آپ اس پیارے اور معصوم سے پرندے کے بارے میں یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ “

سمترا گرج کر بولی۔ ”بیٹی، اگر تُمہاری ہمّت نہیں پڑتی تو میں مروڑتی ہوں اِس کی گردن۔“

یہ کہہ کر وہ طوطے کی طرف لپکی۔ نجومی نے اپنی جان خطرے میں دیکھی تو فوراً اپنی شکل بدلی اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ ملکہ اور اُس کی ماں دیکھتی ہی رہ گئیں۔

باہر نکلتے ہی نجومی پھر طوطا بن گیا اور اِس بار اس نے دُوسری ملکہ کے محل کا رُخ کیا۔ دوسری ملکہ بھی طوطے کے ساتھ بڑے پیار سے کھیلنے لگی۔ اچانک سمترا چلّاتی ہوئی آئی اور بیٹی سے کہا کہ طوطے کو فوراً جان سے مار دو۔ وُہ طوطے کو پکڑنے کے لیے لپکی تو طوطا اپنی اصلی شکل میں آکر، بھاگ کر باہر نکل گیا۔

باہر نکل کر نجومی نے پھر طوطے کی شکل بدلی اور اب تیسری اور چھوٹی ملکہ کے محل کا رُخ کیا۔ یہاں بھی وہی کُچھ ہوا۔ جوں ہی سمترا کو پتا چلا کہ چھوٹی بیٹی طوطے سے کھیل رہی ہے تو اُس نے شور مچا دیا کہ اِس طوطے کو مار ڈالو۔ طوطا وہاں سے

بھی بھاگ گیا۔

اسی طرح نجومی نے یہ معلُوم کر لیا کہ تینوں بھائی اس وقت محل میں نہیں ہیں۔ اب اُس نے فیصلہ کیا کہ شہر میں رہنا فضول ہے۔ دونوں نے مل کر کھانا کھایا اور شہر کے باہر دریا کے اس پل کے پاس چھُپ کر بیٹھ گئے جہاں سے تینوں بھائیوں کو گُزر کر شہر میں آنا تھا۔

شام کو جب بڑا بھائی پُل پر سے گزرا تو نجومی نے اُس کا راستہ روک لیا۔ دونوں میں لڑائی ہوئی اور آخر نجومی نے تلوار کے ایک زور دار وار سے بادشاہ کی گردن کاٹ دی۔ پھر اس نے بادشاہ کی لاش اُسی کے گھوڑے پر باندھ کر گھوڑے کو شہر کی جانب ہانک دیا۔

دُوسرے دِن دوسرا بھائی شہر میں داخل ہونے کے لیے پُل پر سے گُزرا تو اُسے خون نظر آیا۔ وہ خُون کے بارے میں پُوچھنے ہی والا تھا کہ نجُومی نے اُس کا سر بھی تن سے جُدا کر دیا اور لاش گھوڑے پر باندھ کر اُسے شہر کی جانب ہانک دیا۔

اب نجُومی کو تیسرے اور چھوٹے بادشاہ کا انتظار تھا۔ تیسرے دِن شام کو چھوٹا

بادشاہ اپنے گھوڑے پر سوار اُدھر سے گُزرا تو اُسے خُون دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ وہ گرج کو بولا:

"یہ کِس کا کام ہے؟" "فوراً سامنے آؤ۔"

اِن لفظوں کا بادشاہ کے مُنہ سے نِکلنا تھا کہ نجُومی وہاں پُہنچ گیا۔ اُس نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ جس گھوڑے پر بادشاہ سوار ہے یہ وہی جادُو کا گھوڑا ہے جِس کی تلاش میں پہلے بادشاہ مارا مارا پھرا اور اب وہ خُود پھر رہا ہے۔

نجُومی نے بادشاہ پر حملہ کر دیا۔ لیکن بادشاہ بھی نوجوان اور طاقت ور تھا۔ اُس نے خُوب مُقابلہ کیا۔ اِتنی لڑائی ہوئی کہ دونوں پسینے میں نہا گئے، اور دونوں کی تلواریں ٹوٹ گئیں مگر ہار جیت کا فیصلہ نہ ہو سکا۔

تب نجُومی نے تجویز پیش کی فیصلہ کرنے کے لیے ہم دونوں پہیّے بن کر پہاڑ کی چوٹی سے لڑھکتے ہیں۔ جو ٹُوٹ گیا، وہ ہار جائے گا۔ بادشاہ مان گیا۔ وہ دونوں پہیّے بن کر پہاڑ کی چُوٹی سے لُڑھکے تو نیچے کی طرف آتے ہوئے نجُومی نے اپنا رُخ بدلا اور زور سے بادشاہ کے پہیّے پر ٹکّر ماری۔

بادشاہ کا پہیّا ٹوٹ گیا۔ نجُومی فوراً اپنی اصلی حالت پر آ کر خُوشی سے اُچھلنے لگا۔ لیکن اب بادشاہ بھی اپنی اصلی حالت پر آ کر بولا:

”ارے! میری تو صرف ایک اُنگلی ٹوٹی ہے۔ مُجھے شکست تو نہیں ہو گئی جو تُم یُوں اُچھل کود کر رہے ہو۔“

اب بادشاہ نے ہار جیت کے لیے ایک اور تجویز پیش کی کہ ہم دونوں شُعلوں کی شکل میں ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔ جو پہلے جل جائے، وہ ہار جائے گا۔ اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ نجُومی سُرخ شُعلے کی اور بادشاہ سفید شُعلے کی شکل اِختیار کرے۔

دونوں شُعلہ بن کر ایک دوسرے پر جھپٹنے لگے۔ اِتنے میں ایک فقیر اُدھر آ نِکلا۔ سفید شُعلے نے فقیر سے کہا:

”اگر تُم سُرخ شُعلے پر پانی ڈال دو تو میں تُمہیں دس روپے دُوں گا۔“

سُرخ شُعلے نے کہا۔ ”اگر تُم سفید شُعلے پر پانی ڈال دو تو میں تُمہیں بیس روپے انعام

ڈوں گا۔“

فقیر بیس روپے کے لالچ میں آ گیا اور اُس نے سفید شُعلے پر پانی ڈال دیا۔

نجُومی اپنی اصلی حالت میں واپس آ گیا۔ اُس نے فقیر کو بیس روپے دیے اور جادُو کے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے مُلک کی طرف روانہ ہو گیا۔

اُدھر محل میں دو بادشاہوں کے قتل اور تیسرے کے گُم ہو جانے پر کُہرام مچا ہوا تھا۔ جادُو گرنی سمترا بہُت پریشان تھی، اور کیوں نہ ہوتی۔ تینوں بادشاہ اُس کے داماد تھے۔ آخر اُس نے کُچھ سوچا۔ پھر جادُو کے زور سے ایک تخت بنایا، لڑکیوں کو اُس تخت پر بٹھایا اور تخت اُڑا دیا۔

نجُومی اور اُس کا ساتھی تیزی سے فاصلہ طے کر رہے تھے۔ نجُومی کو پتا تھا کہ سمترا جادُو گرنی نے اُسے پہچان لیا ہے اور وُہ ضرُور کُچھ نہ کُچھ کرے گی۔

نجُومی اور اُس کے ساتھی کا مارے بھُوک کے بُرا حال تھا۔ راستے میں اُنہیں سُرخ خُوشبودار سیبوں سے لدا ہُوا ایک درخت نظر آیا۔ نجُومی کے ساتھی سے رہا نہ گیا اُس نے اپنی تلوار سے ایک بھرپور وار درخت پر کیا۔ پتا ہے درخت میں سے کیا نِکلا؟ جہاں تلوار لگی تھی وہاں سے خُون کی ایک دھار بہہ نِکلی۔

نجُومی بولا۔ ”دیکھا، میں نے تُمھیں اِسی لیے منع کیا تھا۔ یہ سیب کا درخت نہیں تھا بلکہ بڑی ملکہ خُود تھی جسے سمترا نے جادُو کے زور سے درخت بنا کے ہمارے راستے میں کھڑا کر دیا تھا، تا کہ وہ خاوند کا بدلہ لے سکے۔ ہم سیب کھا لیتے تو فوراً مر جاتے۔ یہ زہریلے سیب تھے۔“

اُنہوں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ بھُوک رو برداشت ہو جاتی ہے، لیکن پیاس برداشت کرنا بہُت مُشکل کام ہے۔ راستے میں ایک کُنواں نظر آیا تو اُنہوں نے گھوڑا روک لیا اور کنُویں پر پانی پینے گئے۔ نجُومی نے کنویں میں جھانک کے دیکھا اور پھر اپنے ساتھی سے کہا۔

”چلو بھاگو یہاں سے۔ کسی اور کنُویں سے پانی پی لیں گے۔“

ساتھی بولا۔ ”پیاس لگی ہے۔ کیوں نہ یہیں سے پانی پی لیں۔“

نجُومی نے کہا۔ ”تُم نہیں جانتے۔ یہ کنُواں نہیں ہے۔ سمترا نے اپنی دُوسری بیٹی کو کنُواں بنا دیا ہے تا کہ وہ تُم سے اپنے خاوند کی موت کا بدلہ لے سکے۔ یہ دیکھو۔“ یہ کہہ کر نجُومی نے اپنی تلوار پانی میں ڈالی تو تلوار سُرخ ہو گئی اور اُس سے خُون

کے قطرے ٹپکنے لگے۔ نجُومی بولا "یہ زہریلا پانی تھا۔ ہم پی لیتے تو فوراً مر جاتے۔"

اب وہ تھک کر نڈھال ہو چکے تھے۔ راستے میں سڑک سے ذرا ہٹ کر ایک باغ نظر آیا۔ اس میں رنگ برنگ کے پھُول کھلے ہوئے تھے۔ نالیوں میں صاف شفاف پانی بہہ رہا تھا۔ نجُومی نے پانی کو ہاتھ لگایا اور اپنے ساتھی سے کہا کہ یہ پانی ٹھیک ہے۔ جتنا چاہے پی لو۔ خُود اُس نے بھی جی بھر کے پانی پیا۔

پانی پی کر طبیعت ذرا بحال ہوئی تو وہ دونوں باغ کی سیر کرتے ہوئے پھُولوں کی کیاریوں کو دیکھنے لگے۔ گلاب کا ایک سفید پھُول بہت ہی پیارا الگ رہا تھا اور اُس کی بھینی بھینی خُوش بو ہوا کو مہکا رہی تھی۔ نجُومی کا ساتھی اُس پھُول کو توڑنے کے لیے لپکا تو نجُومی نے اُس کو پیچھے کھینچتے ہوئے کہا :

"ارے ارے! کہیں پر ظُلم نہ کرنا۔ یہ پھُول نہیں سمترا کی چھوٹی بیٹی ہے۔ تُم اسے توڑ لیتے تو فوراً مر جاتے۔ یہ دیکھو۔

یہ کہہ کر نجُومی نے تلوار کا ایک بھرپور وار کیا پھُول کٹ کر زمین پر گِرا اور اُس میں سے خون کی دھار بہہ نِکلی۔

اب وہ پھر سفر پر روانہ ہو گئے۔ نجومی نے کہا۔ ”ہم سمترا کے علاقے سے تو باہر نِکل آئے ہیں، لیکن ابھی خطرہ باقی ہے۔“

وہ ایک جگہ ذرا ستانے کے لیے رُکے تو اچانک ایک لڑکا گھوڑے کے قریب آیا اور گھوڑے کے پیٹ میں گُدگُدی کرنے لگا۔ گھوڑا پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا۔ نجُومی نیچے گِر پڑا۔ لڑکا اُچک کر گھوڑے پر بیٹھ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے گھوڑے کو بھگا کر یہ جا وہ جا۔

یہ دیکھ کر نجُومی کا ساتھی بہت گھبر ایا۔ لیکن نجُومی نے اُسے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ ”بات تو بہُت بُری ہوئی ہے۔ لیکن تُم فکر نہ کرو۔ میں اِس لڑکے سے نپٹ لوں گا۔ تُم اپنے ملک کی سرحد پر پہنچ کر میرا انتظار کرو۔ میں تُمھیں وہیں مِلوں گا۔“

نجُومی نے ایک دیہاتی کا بھیس بدلا اور جلد ہی اُس لڑکے کے پاس پہنچ گیا۔ لڑکا نجُومی کو نہ پہچان سکا اور اُسے گھوڑے کی رکھوالی کے لیے مُلازم رکھ لیا۔ نجُومی چاہتا تو گھوڑے کو بھگا کر لے جاتا لیکن اصل بات تو لڑکے کی جادُو کی طاقت کو ختم کرنا تھا، ورنہ وُہ پھر گھوڑا چھین لیتا۔

نجُومی نے لڑکے کی مُلازمت کرتے ہوئے یہ معلُوم کر لیا کہ یہ لڑکا کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے لیکن وہ رضامند نہیں ہوتی۔ لڑکے نے اُسے ایک جزیرے میں قید کر رکھا ہے۔ ایک دن لڑکے نے نجُومی سے کہا :

"تم میرے مُلازم ہو۔ میری مدد کرو۔ کسی طرح اس لڑکی کو مُجھ سے شادی پر آمادہ کرلو۔"

نجُومی کشتی پر سوار ہو کر جزیرے میں پہنچا اور پھیری والا بن کر آوازیں لگانے لگا کہ جسے عُمدہ کپڑے، موتیوں کے ہار، زیورات وغیرہ خریدنے ہوں وہ کشتی میں آ کر دیکھ لے۔ اِتنی خُوب صُورت چیزیں روز روز نہیں ملتیں۔

وہ لڑکی سامان دیکھنے کشتی میں آگئی اور اُسے دیکھنے میں ایسی کھوئی کہ اُسے پتا بھی نہ چلا کہ کب نجُومی نے کشتی چلا دی۔ تھوڑی دیر بعد اُسے معلُوم ہوا کہ کشتی چل رہی ہے تو وہ بہُت گھبرائی۔ نجُومی بولا:

"دیکھو، شور مت کرو۔ اگر تم اس جادُوگر لڑکے کی قید سے نِکلنا چاہتی ہو تو میں تُمھاری مدد کروں گا۔ تم یُوں کرو کہ لڑکے سے اچھّی طرح پیش آؤ اور اُس سے

اِس شرط پر شادی کا وعدہ کرو کہ وہ تُمھیں اپنی طاقت کا راز بتا دے۔"

لڑکی تو یہی چاہتی تھی کہ کوئی مدد گار مِلے۔ اُس نے نجُومی کی باتوں پر پوری طرح عمل کیا اور گھُل مِل کر لڑکے سے باتیں کیں۔ باتوں ہی باتوں میں اُس نے لڑکے سے معلُوم کر لیا کہ اُس کی طاقت کا راز بطخ کے اس انڈے میں جو سامنے والے بَڑ کے درخت کے کھوکھلے تنے میں پڑا ہے۔

لڑکی نے یہ بات فوراً نجُومی کو بتا دی۔ دوسرے دِن جب لڑکا اور لڑکی باتوں میں مصروف تھے تو نجُومی نے بطخ کا وہ انڈا درخت میں سے نکالا اور توڑ کر کھا لیا۔

انڈے کا کھانا تھا کہ لڑکا لڑکھڑاتا ہوا باہر نکلا۔ اُس سے بڑی مُشکل سے چلا جا رہا تھا کیوں کہ اب اُس کی طاقت ختم ہو چکی تھی۔ نجُومی نے بڑھ کر ایک مُکّا اس کی کنپٹی پر مارا۔ وُہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

نجُومی نے لڑکی کو گھوڑے پر بٹھایا اور اُس کو اُس کے گھر پہنچایا۔ پھر سرحد پر اپنے ساتھی سے مِلا۔ وہ نجُومی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور گھوڑے کو بادشاہ کے حُضور پیش کر دیا۔ بادشاہ کی خُوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ گھوڑے کے آنے سے ہر طرف روشنی

ہو گئی تھی۔ سب کام شروع ہو گئے تھے۔

بادشاہ نے خُوش ہو کر آدھی سلطنت نجُومی کو اِنعام میں دینی چاہی، لیکن نجُومی بولا :

"عالی جاہ، میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ مُجھے کِسی قسم کے انعام کا لالچ نہیں ہے۔ میں نے تو آپ کی اور آپ کے عوام کی پریشانی اور تکلیف دیکھ کر یہ خدمت کی ہے۔"

بادشاہ نے کہا۔ "آپ نے ہم پر اتنا بڑا احسان کیا ہے۔ اگر آپ میری سلطنت میں سے حصّہ لینے کو تیّار نہیں تو میری یہ درخواست ضرور منظور کر لیں کہ یہیں میرے پاس رہ جائیں تا کہ آپ سے ملاقات ہوتی رہے۔"

نجُومی بولا۔ "بادشاہ سلامت، میں نے جو آپ کی خدمت کی ہے، اس کے صلے میں میری یہ خواہش پوری کریں کہ مُجھے واپس اپنی جھونپڑی میں جانے دیں۔ میری جھونپڑی اور کتابیں میری سب سے بڑی دولت ہیں۔ مُجھے اس دولت سے محروم نہ کریں۔ اور پھر یہ بات بھی نہ بھُولیں کہ جس طرح میں جھونپڑی میں

بیٹھا آپ کے کام آ گیا، اسی طرح شاید کوئی اور ضرورت مند کبھی اُدھر آ نکلے اور مُجھے اُس کی خدمت کا موقع مل جائے۔"

بادشاہ نجُومی کی باتوں سے لاجواب ہو گیا۔ اُس نے بڑی عزّت سے اُس کو رُخصت کیا اور سرحد تک اُسے چھوڑنے گیا۔

فولادی قلعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے، کسی ملک پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ جیسے ہر بادشاہ کی خواہش ہوتی ہے، اس بادشاہ کی بھی یہی خواہش تھی کہ اس کے بعد اُس کی آل اولاد اُس کے ملک پر حکومت کرے۔ لیکن اِس بارے میں بادشاہ کو ایک خاص پریشانی تھی۔ اس کا ایک ہی لڑکا تھا اور وہ شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ایک دن بادشاہ نے اپنے لڑکے کو بُلا کر کہا۔ ”بیٹے، تُم اب جوان ہو۔ میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ کیا جانے کب جان نکل جائے۔ میری خواہش ہے کہ تُم میری زندگی میں ہی شادی کر لو۔ کیا کوئی ایسی لڑکی تُمہاری نظر میں ہے جسے تُم پسند کرتے ہو؟“

"جی نہیں، ابّا جان، ابھی تک مُجھے ایسی کوئی لڑکی نظر نہیں آئی جسے میں شادی کے لیے پسند کروں۔ پھر یہاں اِتنی شہزادیاں ہیں بھی تو نہیں جن میں سے میں اپنی دُلہن پسند کر سکوں۔"

"شاید میں تُمہاری کُچھ مدد کر سکوں۔ یہ لو، چابی۔"

بادشاہ نے ایک سونے کی چابی جیب سے نِکالی اور شہزادے کر دیتے ہوئے کہا۔ "محل کی تیسری منزل میں جاؤ۔ اُس کے آخری کمرے کا تالا اس چابی سے کھُلے گا۔ جس چیز کی تُمہیں تلاش ہے، شاید وہاں مِل جائے۔"

شہزادہ بادشاہ کی یہ بات سُن کہ کُچھ حیران سا ہُوا۔ وہ بچپن سے دیکھتا آرہا تھا کہ محل کی تیسری منزل کا آخری کمرہ ہمیشہ بند رہتا ہے۔ اُس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اُس کمرے میں تالا ہی لگا دیکھا تھا۔ وہ ایک ایک قدم میں دو دو سیڑھیاں پھلانگ کر اُوپر پہنچا۔ چابی تالے میں لگائی۔ تالا کھُل گیا تو دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔

یہ ایک بہت بڑا گول کمرہ تھا۔ چھت آسمانی رنگ کی تھی، جس پر بنے ہوئے سفید

بیل بُوٹے یوں دِکھائی دیتے تھے جیسے آسمان پر ستارے نِکلے ہوں۔ فرش پر ہرے رنگ کا ریشمی قالین بِچھا تھا۔

دیواروں میں سونے کے فریموں کی بارہ کھڑکیاں تھیں۔ ہر کھڑکی پر ایک شیشہ لگا ہوا تھا اور ہر شیشے پر ایک خُوب صُورت لڑکی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اِن لڑکیوں نے مختلف رنگوں کے خُوب صُورت لباس پہنے ہوئے تھے اور سب کے سروں پر جَگ مَگ جَگ مَگ کرتے تاج رکھے تھے۔

جس تصویر پر بھی شہزادے کی نظر پڑتی، لڑکی مُسکرانا شروع کر دیتی۔ شہزادہ ایک ایک کر کے سب تصویروں کر دیکھ چُکا تو اُس نے دیکھا کہ ایک کھڑکی پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ شہزادے نے پردہ ہٹایا تو اُسے سفید لباس میں ایک پیاری سی لڑکی دکھائی دی۔ سفید موتیوں کا تاج اُس کے سر پر بہت ہی بھلا معلُوم ہوتا تھا۔

شہزادے نے محسوس کیا کہ یہ لڑکی ان سب لڑکیوں سے زیادہ خُوب صُورت ہے، لیکن اس کا چہرہ زرد تھا اور وہ اُداس سی دِکھائی دے رہی تھی۔

شہزادہ اُسے لگاتار دیکھتا رہا۔ آخر وہ اُسے پسند آگئی اور اب اُس نے اپنے آپ سے

کہا۔ ”میں اسی لڑکی سے شادی کروں گا۔“

جوں ہی یہ لفظ شہزادے کے مُنہ سے نکلے، لڑکی نے شرما کر سر جھُکا لیا، اور پھر ایک دم تمام تصویریں غائب ہو گئیں۔

شہزادہ بھاگا بھاگا بادشاہ کے پاس آیا اور ساری بات اُسے بتادی۔ بادشاہ پریشان ہو گیا اور خفگی سے بولا:

”یہ تُم سے کِس نے کہا تھا کہ پردے کے پیچھے چھُپی ہُوئی لڑکی کو دیکھو؟ جس لڑکی کو تُم نے پسند کیا ہے، وُہ تو ایک جادُو گر کے قبضے میں ہے، وُہ اُسے جیل میں بند رکھتا ہے۔ اس لڑکی کو اُس جادُو گر کے چُنگل سے آزاد کرانا اتنا آسان نہیں۔ اس کام کے لیے جس کِسی نے بھی کوشش کی، وہ اُس فولادی قلعے سے واپس نہیں آیا، جس میں یہ جیل خانہ ہے۔ مُجھے افسوس ہے کہ تُمھیں اپنی پسند کی لڑکی حاصل کرنے کے لیے بُہت سی مُصیبتیں اُٹھانا ہوں گی۔“

شہزادہ بولا۔ ”آپ فکر نہ کیجیے، ابّا جان میں اپنی پسند کی چیز حاصل کر کے ہی رہوں گا۔“

اگلے دِن شہزادہ گھوڑے پر سوار ہو کر اکیلا ہی لڑکی کی تلاش میں نِکل کھڑا ہوا۔ وُہ چلتا گیا، چلتا گیا۔ آخر ایک ایسے جنگل میں داخل ہوا، جس کا کوئی کنارہ نہ تھا۔ جنگل کا کُچھ حصّہ تو اُس کا دیکھا ہوا تھا لیکن جس حصّے میں سے وہ اب گُزر رہا تھا وہ اُس کے لیے بالکل نیا تھا۔

اچانک اُسے پیچھے سے کسی کی آواز آئی۔ مُڑ کر دیکھا تو ایک لمبا سا آدمی تیز تیز چلتا ہُوا اُس کے پیچھے آ رہا تھا۔ اُس نے شہزادے کو پُکار کر کہا:

”میں بے کار ہُوں۔ مُجھے اپنا ملازم رکھ لو۔ میں آپ کے بُہت کام آؤں گا۔“

شہزادہ جنگل میں اکیلا جا رہا تھا۔ اُسے راستے کا کُچھ پتا نہ چل رہا تھا۔ اُس نے سوچا، کیوں نہ اِس شخص کو ساتھ لے لیا جائے۔ اُس نے اُس سے نام وغیرہ پُوچھا تو وُہ شخص بولا:

”میرا نام ہے، لمبُو۔ میں ایسی ایسی جگہ پہنچ سکتا ہُوں جہاں دُوسرے لوگ سیڑھی لگا کر بھی نہیں پہنچ سکتے۔ وُہ سامنے درخت پر آپ کوّے کا گھونسلا دیکھ رہے ہیں نا؟ رُکیے، میں ابھی اُس سے انڈے نِکال کر دکھاتا ہُوں۔“

یہ کہہ کر لمبُو لمبا ہونا شروع ہو گیا۔ وُہ اس قدر اُونچا ہو گیا کہ اُس نے آسانی سے کوّے کے گھونسلے سے تین انڈے نکال لیے۔ اس کے بعد وہ سُکڑنا شروع ہوا اور تھوڑی دیر میں اُس کا قد اُتنا ہی ہو گیا جتنا پہلے تھا۔

شہزادہ بولا۔ ”بھئی، تُم نے تو کمال کر دیا، لیکن میں تو جب مانوں اگر تُم مُجھے جلد سے جلد اس جنگل سے باہر نِکل دو۔ یہ تو ختم ہونے میں نہیں آتا۔“

”یہ کیا مشکل کام ہے؟“ یہ کہہ کر لمبُو پھر اُونچا ہُونے لگا۔ وُہ اتنا بڑھا، اتنا بڑھا کہ جنگل کے بڑے سے بڑے درخت سے بھی اُونچا ہو گیا۔

اُس نے ایک طرف اِشارہ کرتے ہُوئے کہا۔

”اس طرف۔۔۔ جنگل اتنا گھنا نہیں ہے۔ ہم بُہت جلد اس میں سے نِکل جائیں گے۔“

یہ کہہ کر وُہ پھر چھوٹا ہو گیا اور شہزادے کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر آگے چل دیا۔ جلد ہی راستہ صاف ہونا شروع ہو گیا۔ گھنا جنگل ختم ہو گیا اور ہموار راستہ

شروع ہو گیا۔ کُچھ دُور اُنہیں ایک آدمی کھڑا نظر آیا۔ لمبُو بولا:

"یہ میرا ایک دوست ہے۔ اسے بھی اپنا مُلازم رکھ لیجیے۔ یہ بھی آپ کے لیے بُہت مُفید ثابت ہو گا۔ "

شہزادہ بولا۔ "ذرا بُلاؤ تو اُسے۔ دیکھتے ہیں کیسا ہے۔"

لمبُو نے کہا۔ "یہاں سے تو اُسے آواز نہیں پہنچے گی۔ بُہت دُور ہے۔" یہ کہہ کر وہ اُونچا ہونا شروع ہُوا۔ جب اُس کا قد درختوں سے بھی اُوپر نِکل گیا تو اُس نے دو تین قدم اُٹھائے اور اپنے دوست کا بازو پکڑ کر اُسے شہزادے کے سامنے لا کھڑا کیا۔

لمبُو کا یہ دوست بہت موٹا تھا۔ اُس کا پیٹ باہر کو نِکلا ہوا تھا۔ شہزادے نے پُوچھا۔ "تُم کون ہو اور کیا کام کر سکتے ہو؟"

اُس نے کہا۔ "میرا نام موٹُو ہے اور پھُولنا میرا کام ہے۔"

شہزادہ حیران ہو کر بولا۔ "پھُولنا؟۔۔۔ وُہ کیا ہوتا ہے؟ "

موٹو نے کہا۔ "میں آپ کو ابھی دِکھاتا ہوں۔"

یہ سُنتے ہی لمبُو چلّایا۔ "ہٹ جایئے، جلدی سے ہٹ جایئے۔" شہزادے کی سمجھ میں کچھ نہ آیا لیکن جب اُس نے لمبُو کو ایک طرف بھاگتے دیکھا تو وہ بھی اُسی طرف بھاگا اور واقعی بال بال بچ گیا۔ کیوں کہ موٹو اِس قدر پھُولتا جارہا تھا کہ جو چیز بھی راستے میں آتی تھی، ٹوٹ ٹوٹ کر گِر رہی تھی۔ درخت ٹُوٹ رہے تھے۔ جانور اور پرندے جان بچا کر اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔

شہزادے کو یہ کمال دِکھانے کے بعد موٹُو نے پیٹ میں جو ہوا بھری تھی وہ نکالنی شروع کر دی۔ ہوا اِتنے زور سے نِکلی کہ آندھی آگئی۔ جو درخت ٹوٹ کر گِرے تھے وہ ہوا میں اُڑنے لگے اور جو ثابت تھے اُن کی ٹہنیاں ٹُوٹ ٹُوٹ کر گِرنے لگیں۔

جب موٹُو اپنی اصلی حالت پر واپس آگیا تو شہزادہ بولا۔ "خوب، بھئی! خُوب! تُم نے تو کمال کر دیا۔ آج سے تُم بھی میرے ساتھ رہو گے۔"

اب وہ تینوں اکٹھّے سفر کر رہے تھے۔ جب وہ ایک ٹیلے کے پاس پہنچے تو اُنہیں ایک

اور شخص نظر آیا۔ اسے دیکھتے ہی لمبو اور موٹو چلّائے:

"یہ ہمارا دوست شِکرا ہے۔ کہو دوست، کیا حال ہے؟"

شکرے کی آنکھوں پر پٹّیاں بندھی ہوئی تھیں۔ شہزادے نے پُوچھا۔ "تُم آنکھوں پر پٹّیاں باندھ کر کیوں چل رہے ہو؟ تُمھیں تو راستہ بھی دِکھائی نہ دیتا ہو گا۔"

شِکرا بولا۔ "مُجھے سب کچھ دِکھائی دیتا ہے۔ میری آنکھیں اتنی تیز ہیں کہ اِن پٹّیوں میں بھی سب کچھ دیکھ سکتی ہیں۔ اگر میں پٹّیاں اُتار دُوں تو میری نظریں چیزوں کے آر پار ہو جاتی ہے اور یا تو وہ چیزیں جلنے لگتی ہیں یا ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہیں۔"

یہ کہہ کر شکرے نے آنکھوں سے پٹّیاں اُتاریں اور دُور ایک چٹان پر نظر ڈالی۔ دیکھتے ہی دیکھتے چٹان ٹوٹنے لگی۔ پھر اس کے ٹکڑے اُڑ اُڑ کر اِدھر اُدھر گِرنے لگے۔ تھوڑی دیر پہلے جہاں چٹان تھی، اب مٹّی کا ایک ڈھیر تھا۔ اس ڈھیر کے درمیان کوئی چیز چمک رہی تھی۔ شِکرا آگے بڑھا اور چمکتی ہوئی چیز اُٹھا کر

شہزادے کو پیش کی۔ یہ ایک سونے کی ڈلی تھی۔

شہزادہ بولا۔ ”آج سے تُم میرے ساتھ رہو گے۔“

اب شہزادے نے تینوں ساتھیوں کو بتایا کہ ایک فولادی قلعے کے جیل خانے میں کسی جادُوگر نے ایک لڑکی کو قید کر رکھا ہے اور میں اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ تینوں ساتھیوں نے وعدہ کیا کہ وُہ شہزادے کی ہر طرح مدد کریں گے۔

سب سے پہلے شِکرے نے نظر دوڑائی کہ قلعہ کہاں ہے اور وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اُس نے بتایا کہ قلعہ یہاں سے اتنا دُور ہے کہ ہم رات تک وہاں پہنچیں گے۔ اس وقت قلعے کے لوگ شام کا کھانا کھا رہے ہیں اور وہ لڑکی جس سے شہزادہ شادی کرنا چاہتا ہے، ایک مینار کے کمرے میں قید ہے۔ اس کمرے کی کھڑکی میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی ہیں۔

اُنہوں نے اپنا سفر جاری رکھا اور سُورج چھُپنے کے ساتھ ہی پہاڑی علاقے سے نکل کر میدانی علاقے میں داخل ہو گئے۔ یہی وہ علاقہ تھا جس میں فولادی قلعہ تھا۔ قلعے میں داخل ہونے کے لیے اُنہیں ایک پُل پر سے گُزرتا تھا جو قلعے سے

آنے والے ایک نالے پر بنا ہوا تھا۔ جُوں ہی اُنہوں نے اس پُل کو پار کیا، سُورج غروب ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی پُل کا دروازہ خُود بخود بند ہو گیا۔ وُہ اب قلعے کے گِرد ایک بڑے صحن میں پہنچ چکے تھے۔ لیکن اُنہیں کُچھ پتا نہ تھا کہ اب کیا کریں؟ ہر طرف خاموشی تھی۔ نہ کسی جان دار کی آواز آ رہی تھی نہ کوئی اِنسان نظر آ رہا تھا۔

شہزادے نے قلعے کا چکّر لگایا تو ایک دروازہ نظر آیا۔ دروازہ کافی بڑا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئے تو ایک اصطبل دکھائی دیا جس میں گھاس پڑی تھی۔ شہزادہ گھوڑے کو اندر لایا، اُس کی کاٹھی اُتاری اور اُسے تھپکی دے کر اصطبل میں چھوڑ دیا۔

اصطبل میں سے ایک دروازہ قلعے میں جاتا تھا۔ یہ چاروں اُس دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔ وہ کئی کمروں میں سے گُزرے۔ ان کمروں میں بے شمار آدمی تھے، لیکن وہ زندہ نہ تھے بلکہ پتھّر بن چُکے تھے اور اُن پر مٹّی پڑی ہوئی تھی۔

اِن سب کمروں میں سے گُزر کر وہ ایک گول کمرے میں پہنچے۔ یہاں روشنی تھی۔ میز کے گرد چار کُرسیاں پڑی تھیں اور میز پر پلیٹوں میں گرم گرم، لذیذ کھانے

رکھے تھے۔ وہ اِس اِنتظار میں کہ شاید کوئی آ کے اُنہیں کھانے کو کہے، وہیں کھڑے رہے۔ لیکن جب کافی دیر کسی کی شکل نظر نہ آئی تو کھانا کھانے لگے۔

کھانے کے بعد سوچنے لگے کہ اب رات کیسے گزاریں؟ کہاں سوئیں؟ کیا اس وقت قلعے کے اور کمروں میں جانا مُناسب ہے بھی یا نہیں؟

وہ ابھی اسی سوچ میں تھے کہ دروازہ ایک جھٹکے سے کھُلا اور ایک کُبڑا اندر داخل ہوا۔ وہ گنجا تھا اور اس کا سر تربُوز کی طرح چمک رہا تھا۔ بھوؤں کے بال بالکل سفید تھے۔ سفید ڈاڑھی گھٹنوں تک لٹک رہی تھی۔ کمر میں ایک سفید ڈھیلی سی پیٹی بندھی تھی جس میں لوہے کے تین ہک لٹک رہے تھے۔ کُبڑے کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی جس کا اُس نے بازو پکڑ رکھا تھا۔ یہ لڑکی بہت ہی پیاری اور خُوب صُورت تھی۔ اُس نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ سر پر سفید موتیوں کا تاج تھا۔ لیکن بہت کم زور اور اُداس سی دکھائی دیتی تھی۔ شہزادہ پہلی ہی نظر میں پہچان گیا کہ یہی وہ لڑکی ہے جس کی تصویر اُس نے اپنے باپ کے خفیہ کمرے میں دیکھی تھی اور جس کے ساتھ وہ شادی کرنا چاہتا ہے۔

شہزادہ جلدی سے لڑکی کی طرف لپکا تو کُبڑے نے اُسے روکتے ہوئے کہا۔
""ٹھہرو، ٹھہرو، میں جانتا ہوں تُم کون ہو اور یہاں کیا کرنے آئے ہو۔ تم
دراصل اس لڑکی کو لے جانا چاہتے ہے۔ ٹھیک ہے نا؟ "

شہزادہ خاموشی سے کُبڑے کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہی وہ جادُوگر
ہے جس نے لڑکی کو قید کر رکھا ہے۔

شہزادے اور اُس کے ساتھیوں کو خاموش دیکھ کر کُبڑا بولا۔ ""تم اِس لڑکی کو لے
جاسکتے ہو۔ "

شہزادے کو یقین نہ آیا۔ وہ حیران ہو کر بولا :

""جی۔۔۔۔ میں اِسے لے جا سکتا ہوں؟"" ""لے جا سکتے ہو۔" کُبڑا بولا۔ ""لیکن
ایسے نہیں۔ ایک شرط پر۔ "

""کس شرط پر؟" "شہزادے نے پُوچھا۔

کُبڑا بولا۔ ""شرط یہ ہے کہ یہ لڑکی میں تُمہارے پاس چھوڑ جاتا ہوں۔ اگر تم تین

راتوں تک اِس کی حفاظت کے سکے تو تُم اِسے لے جا سکو گے، لیکن اگر یہ غائب ہو گئی تو تُم اور تُمہارے تینوں ساتھی اور تُمہارا گھوڑا، سب پتّھر کے بنا دیے جائیں گئے، بالکل ایسے ہی جیسے اس سے پہلے بے شمار لوگ اس لڑکی کو لینے آئے اور پتّھر کے بن گئے۔ اس کمرے تک آتے آتے تم نے راستے میں ہزاروں لوگ پتّھر کے دیکھے ہوں گے۔"

یہ کہہ کر کُبڑا لڑکی کو شہزادے کے پاس ایک کُرسی پر بٹھا کر چلا گیا۔

شہزادے نے لڑکی سے بات کرنا چاہی تو وہ خاموش رہی۔ اُس نے لڑکی سے بہت سے سوالات پوچھے مگر وہ ٹس سے مَس نہ ہوئی۔ اگر لڑکی کو چلتے پھرتے نہ دیکھا ہوتا تو شہزادہ اُسے پتّھر کی مُورتی سمجھتا۔

شہزادے کو لڑکی کی حالت پر بہُت ترس آیا۔ اُس نے پکّا اِرادہ کر لیا کہ وہ اس لڑکی کو کُبڑے کی قید سے نجات دلا کر رہے گا۔

لمبُو نے اپنے آپ کو اِتنا پھیلایا کہ تمام کمرے کے گرد ایک دیوار سی بن گئی۔ موٹو دروازے میں اَڑ کر بیٹھ گیا تا کہ اُس میں سے کوئی نکل نہ سکے۔ شِکرا کمرے کے

عین درمیان میں بیٹھ گیا اور غور سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ خُود شہزادہ بھی چوکس ہو اکر بیٹھ گیا کہ لڑکی کہیں بھاگنے نہ پائے۔

لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اُن سب کو نیند نے آلیا اور وہ سو گئے۔ ایسے سوئے، ایسے سوئے کہ صُبح کو آنکھ کھلی۔ سب سے پہلے شہزادہ جاگا تو یہ دیکھ کر اُس نے اپنا سر پیٹ لیا کہ لڑکی غائب تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا اور ساتھیوں کو جگا کر اُنہیں بُرا بھلا کہنے لگا۔

شہزادے کا غصّہ دیکھ کر شِکرا بولا۔ "آپ فکر نہ کریں جناب، آخر میں کِس مرض کی دوا ہُوں۔ ابھی پتا چلاتا ہوں کہ شہزادی کہاں ہے؟ "

یہ کہہ کر اُس نے تھوڑی دیر کھڑکی سے باہر دیکھا، پھر بولا۔ "وہ ہے۔۔۔ وہ ہے۔۔۔ یہاں سے ایک سو میل کے فاصلے پر، ایک گھنا جنگل ہے۔ اس جنگل میں ایک بہت بڑا شیشم کا درخت ہے۔ اس درخت کی سب سے اُوپر والی شاخ پر صرف ایک ہی زرد رنگ کا پتّا ہے۔ یہی وہ لڑکی ہے جو یہاں سے غائب ہوئی ہے۔ لمبُو مُجھے کاندھے پر بٹھا کر چند قدم چلے۔ ہم لڑکی کو بھی لے آتے ہیں۔"

لمبُو نے اپنے آپ کو لمبا کرنا شروع کر دیا۔ وہ اتنا لمبا ہو گیا کہ اُس کا ایک قدم دس میل کا فاصلہ طے کرتا تھا۔ شِکرا اُس کے کندھے پر سوار تھا۔ دس قدموں ہی میں یہ لوگ شیشم کے اُس درخت تک پُہنچ گئے۔ اب لمبُو نے اپنے آپ کو تھوڑا سا چھوٹا کیا اور وہ زرد پتّا توُڑ کر فوراً ہی واپس آ گئے۔

شہزادے کے ہاتھ میں پتّا دے کر لمبُو نے کہا۔ ”اس پتّے کو زمین پر پھینک دیجیے۔“

شہزادے نے ایسا ہی کیا۔ پتّا زمین پر گِرتے ہی لڑکی بن گیا۔

اتنے میں دروازہ ایک زور دار جھٹکے سے کھُلا اور کُبڑا مُسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ لیکن جب اُس نے لڑکی کو وہاں کھڑے پایا تو اُس کی مُسکراہٹ غصّے میں بدل گئی۔ اُس کی کمر کی پیٹی میں سے لوہے کا ایک ہُک تڑاخ سے ٹوٹ کر نیچے گِر پڑا۔ اس نے لڑکی کا بازو پکڑا اور کھینچتا ہوا کمرے سے باہر نِکل گیا۔

شہزادہ اور اُس کے ساتھی قلعے کے اِرد گِرد ٹہلتے رہے۔ وہاں سوائے پتھّر کی موتیوں کے اور تھا ہی کیا۔

دوپہر کو جب یہ لوگ کھانے کی میز پر پُہنچے تو اُس پر بہُت عمدہ کھانا چُنا ہوا تھا۔ یہی حال شام کو ہوا، کھانے کی میز رنگ برنگ کھانوں سے بھری پڑی تھی۔ پانی کا گلاس خالی ہوتا تو دُوسرا گلاس خُود بخود بھر جاتا۔ جس چیز کو اُن کا دل چاہتا اُس کی پلیٹ خُود بخود سامنے آجاتی۔ اُنہوں نے خُوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔

جُوں ہی کھانا ختم ہوا، کُبڑا لڑکی کو لے کر کمرے میں آگیا اور پچھلی رات کی طرح اُس کو کُرسی پر بٹھا کے چلا گیا۔

آج بھی اُن لوگوں نے بہت کوشش کی کہ رات بھر جاگتے رہیں لیکن شاید قلعے کے کھانے میں یا پانی میں کوئی ایسی چیز ملی ہوئی تھی کہ اُن سب کو جلد ہی نیند آگئی اور وہ صُبح تک سوئے رہے۔

صُبح سب سے پہلے شہزادے کی آنکھ کھُلی۔ لڑکی کو غائب دیکھ کر وہ اُچھل کر اُٹھ بیٹھا اور شِکرے کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا:

”ارے، اُٹھو! اُٹھو! ہم سوئے رہے اور لڑکی غائب ہو گئی۔ ذرا دیکھو تو، کہاں گئی؟“

شِکرا کھڑکی میں جا کر غور سے دیکھنے لگا۔ شہزادے نے تھوڑی دیر بعد شِکرے سے پُوچھا۔ "نظر آیا کُچھ؟"لیکن شِکرا خاموش رہا۔ شہزادہ بے چین ہو گیا۔

پھر ایک دم شِکرا چلّایا۔ "وہ ہے۔۔۔ وُہ ہے۔ یہاں سے دو سو میل کے فاصلے پر، ایک پہاڑ ہے۔ پہاڑ میں ایک سیاہ پتھّر کی چٹّان ہے۔ اس سیاہ چٹّان میں ایک سُرخ رنگ کا ہیرا ہے۔ یہ سُرخ رنگ کا ہیرا ہی وُہ لڑکی ہے۔ لمبُو مُجھے وہاں لے چلے تو ہم ابھی اُسے لے آئیں گے۔ "

لمبُو نے شِکرے کو اُٹھا کر کندھے پر بٹھایا اور ایک قدم میں بیس میل کا فاصلہ طے کرتا ہوا چند لمحوں میں پہاڑ کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں پُہنچ کر شِکرے نے اپنی آنکھوں سے پٹی اُتاری اور گھور کر چٹّان کی طرف دیکھا۔ چٹّان میں پہلے دراڑیں پڑیں، پھر وہ پھٹ گئی اور پتھّر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر ِگر پڑے۔

اِن ہی پتھّروں میں سُرخ ہیرا بھی تھا جسے لمبُو نے اُٹھالیا، پِھر شِکرے کو کندھے پر بٹھایا اور پلک جھپکتے میں واپس آکر ہیرا شہزادے کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

شہزادے نے ہیرے کو غور سے دیکھا اور زمین پر پھینک دیا۔ ہیرے کا زمین پر

گِرنا تھا کہ لڑکی شہزادے کے سامنے کھڑی تھی۔ اُتنی ہی پیاری، لیکن نہایت اُداس۔ ابھی شہزادہ لڑکی کو جی بھر کے دیکھ بھی نہ سکا تھا کہ دروازہ ایک جھٹکے سے کھُلا اور کُبڑا اندر داخل ہوا۔

جُوں ہی کُبڑے نے لڑکی کو دیکھا، اس کا چہرہ خوف سے زرد ہو گیا اور اُس کی چیخ نِکل گئی۔ پھر اُس کی پیٹی سے ایک اور لوہے کا ٹُکڑا تڑاخ سے ٹوٹ کر گرا اور وہ بڑے غصّے سے لڑکی کو گھسیٹے ہوئے لے گیا۔

یہ دُوسرا دِن بھی شہزادے اور اُس کے ساتھیوں نے بڑی بے زاری سے کاٹا۔ ہر طرف بھیانک اور پُراسرار خاموشی تھی۔ نہ کوئی پرندہ، نہ کوئی جانور۔ صرف پتھّر کے انسان تھے۔ کوئی بیٹھا، کوئی کھڑا، کوئی لیٹا۔

شہزادے کو اس خیال سے جھُرجھُری آگئی کہ اگر آج کی رات بھی لڑکی غائب ہو گئی اور واپس نہ لائی جا سکی تو اُس کا اور اُس کے ساتھیوں کا بھی یہی حشر ہو گا اور وہ سب بھی پتھّر کے بن جائیں گئے۔

اُس رات کھانے کے بعد کُبڑا پھر لڑکی کر لے کر آیا۔ اُس نے شہزادے کو گھور

کے دیکھا اور لڑکی کو چھوڑ کر چلا گیا۔

آج آخری امتحان تھا، اس لیے شہزادے نے پکّا اِرادہ کر لیا کہ نہ خود سوئے گا اور نہ کِسی ساتھی کو سونے دے گا۔ موٹُو خاص طور پر آج دروازے میں پھنس کر بیٹھ گیا تاکہ باہر نکلنے کی ذرا سی بھی گنجائش نہ رہے۔

پھر وہی ہوا جِس کا ڈر تھا۔ تھوڑی دیر بعد شہزادے نے دیکھا کہ موٹُو بھی انگڑائیاں لے رہا ہے اور لمبُو تو خرّاٹے لے رہا تھا۔ خود شہزادے کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ اور پھر وہ سب سو گئے۔

اچانک شہزادے کی آنکھ کھُلی تو وہ سوچنے لگا کہ کیا میں سو گیا تھا؟ اُس کی نظر کھڑکی سے باہر پڑی تو صُبح ہو رہی تھی۔ اب اُسے اِحساس ہوا کہ وہ تمام رات سویا رہا تھا۔ لڑکی غائب تھی۔

اُس نے فوراً شِکرے کو جگایا اور اسے ساری بات بتائی۔ شِکرے نے کھڑکی میں سے باہر دیکھا اور بتایا۔ ”یہاں سے تین سو میل کے فاصلے پر ایک سیاہ جھیل ہے۔ جھیل کی تہہ میں ایک سِیپی ہے۔ اس سِیپ کے اندر ایک موتی ہے۔ یہی

موتی وُہ لڑکی ہے۔ آپ فکر نہ کریں، ہم اِسے لے آئیں گے۔ لیکن آج ہم تینوں کو جانا پڑے گا۔"

لمبُو نے ایک کندھے پر شِکرے کو بڑھایا، دوسرے پر موٹُو کو اور ایک قدم میں تیس میل کا فاصلہ طے کرتے ہوئے دس قدموں میں جھیل کنارے جا پہنچا۔ یہاں لمبُو نے اپنا لمبا ہاتھ جھیل میں ڈالا۔ شِکرا اُس کی رہنمائی کر رہا تھا۔ لیکن جھیل اِتنی گہری تھی کہ کوشش کے باوجود لمبُو کا ہاتھ سِیپ تک نہ پہنچ رہا تھا۔

لمبُو بولا۔ "موٹُو، آج تُمہاری مدد کی ضرورت پڑے گی۔"

یہ سُنتے ہی موٹُو گھُٹنے ٹیک کر زمین پر بیٹھ گیا اور پانی کو مُنہ لگا دیا۔ وہ پیتا گیا، خوب پھُولتا گیا، پھُولتا گیا، یہاں تک کہ جھیل کا پانی آدھے سے بھی کم رہ گیا۔

اب لمبُو نے ہاتھ ڈالا اور سِیپ نکال لی۔ پھر وہ شِکرے اور موٹُو کو کندھوں پر سوار کر کے واپس قلعے کی طرف چل دیا۔ وہ جلد پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن موٹُو جھیل کا پانی پی کر اِس قدر بھاری ہو گیا تھا کہ لمبُو پوری رفتار سے نہ چل سکتا تھا۔ اُس نے موٹُو کو کندھے سے اُتار دیا کہ واپسی پر لے لیا جائے گا اور پوری رفتار سے قلعے کی

جانب چل دیا۔

شہزادہ بڑی بے چینی سے باہر دیکھ رہا تھا کہ اُس کے تین ساتھی کُبڑے کے آنے سے پہلے واپس بھی آتے ہیں یا نہیں۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو لڑکی واپس نہ آئے اور کُبڑا آجائے۔

آخر وہی ہوا جِس کا ڈر تھا۔ جوں ہی سُورج کی پہلی کِرن نمُودار ہوئی، کُبڑا آگیا۔ لڑکی کو موجُود نہ پا کر اُس کے چہرے پر مُسکراہٹ آگئی اور وہ کِھل کھلا کر ہنس پڑا۔ لیکن جُوں ہی اُس نے کمرے کے اندر آنے کی نیّت سے پاؤں اُٹھایا کھڑکی ایک زور دار دھماکے سے کھُلی اور سِیپ زور سے فرش پر گِری۔ لڑکی شہزادے کے پاس کھڑی تھی۔

کُبڑا چیخ کر پیچھے ہٹا۔ اُس کی پیٹی کا تیسرا ہُک بھی تڑاخ سے ٹُوٹ کر گِرا اور جہاں تھوڑی دیر پہلے کُبڑا کھڑا تھا، اب وہاں ایک کوّا بیٹھا تھا۔ وہ جلدی سے اُچک کر باہر اُڑ گیا۔

شہزادے نے لڑکی کی طرف دیکھا تو اُس کے چہرے پر سُرخی آرہی تھی۔ اُس

نے مُسکرا کر شہزادے اور اس کے ساتھیوں کا شُکریہ ادا کیا۔

جوں ہی شہزادی نے بولنا شروع کیا، قلعے میں ایک ہل چل سی مچ گئی۔ وہ لوگ جنہیں جادُوگر نے پتھّر کا بنا دیا تھا، زندہ ہو ہو کر اُٹھنے لگے۔ وہ بھاگ بھاگ کر اُن لوگوں کو دیکھنے آئے جنھوں نے اُنہیں رہائی دِلائی تھی۔

شہزادے نے ان لوگوں کو بتایا کہ یہ سب کچھ دراصل لمبُو، موٹُو اور شِکرے کی کوششوں سے ہوا ہے۔ سب لوگ ایک جلوس بنا کر شہزادے کے گھر کی طرف چل دیے۔ موٹُو بھی اُنہیں راستے میں مِل گیا۔

شِکرے کی رہنمائی میں یہ لوگ جلد ہی بادشاہ کے محل کے پاس پہنچ گئے۔ بادشاہ اپنے بیٹے کو زندہ دیکھ کر خُوشی سے پھُولا نہ سمایا۔

شادی کے جشن کے بعد لمبُو، موٹُو اور شِکرے نے جانے کی اِجازت چاہی تو شہزادے نے اُنہیں روکنا چاہا۔ لیکن اُنہوں نے کہا کہ وہ اب کسی اور دل چسپ مُہم پر جانا چاہتے ہیں۔ بادشاہ اور شہزادے نے اُن کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور اُنہیں خُدا حافظ کہہ کر رُخصت کیا۔

بگولے کی قیدی

کسی بادشاہ کی ایک ہی بیٹی تھی، بہت ہی پیاری اور من موہنی۔ جب وہ سترہ سال کی ہوئی تو اس قدر خُوب صُورت نکلی کہ مَلِکہ اور بادشاہ اُسے دیکھ دیکھ کر جیتے اور دن رات اُس کی بلائیں لیتے۔ شہزادی کے سر پر گھنگھریالے سُنہری بال بُہت ہی اچھّے لگتے تھے۔

مَلِکہ اور بادشاہ ہر وقت اللہ سے دُعا کرتے کہ اُن کی بچّی خیریت سے رہے اور ہر قسم کی مُصیبتوں اور تکلیفوں سے محفوظ رہے۔ وہ اس کی بُہت حفاظت کرتے۔ نوکرانیاں اُس کے اِرد گرد رہتیں اور سوائے شاہی محل میں گھومنے پھرنے کے، اُسے کہیں اور جانے کی اجازت نہ تھی۔ اُس نے کبھی محل کے باہر قدم نہ رکھا

تھا۔ شہزادی کو باہر کی دُنیا کا کُچھ پتا ہی نہ تھا، اس لیے وہ بُہت خوش تھی اور ہر وقت ہیرے جواہرات اور اچھّے اچھّے کپڑے پہنے محل میں کھیلتی رہتی۔ جب شہزادی اٹھارہ سال کی ہوئی تو ایک دِن اُس کے کانوں میں کوئل کی کُوک کی آواز آئی۔ اتنے بڑے محل میں جہاں سینکڑوں درخت تھے، اٹھارہ سال کی عُمر تک کوئل کی کُوک نہ سُننا بڑی عجیب بات تھی۔

شہزادی کوئل کی کُوک کی مِٹھاس میں اِس قدر کھوئی کہ کھڑکی کھول کر بیٹھ گئ اور باہر دیکھنے لگی کہ یہ آواز کہاں سے آئی۔ وہ اِس قدر محو تھی کہ جب مَلِکہ اُس کے کمرے میں داخل ہوئی تو اُسے بالکل پتا نہ چلا۔ وہ اُسی طرح باہر دیکھتی رہی۔

ملکہ دراصل شہزادی سے بہت ضروری بات کرنے آئی تھی۔ شہزار اٹھارہ سال کی ہو چکی تھی اور ملکہ اور بادشاہ نے فیصلہ کیا تھا کہ اب اس کو اپنی شادی کے لیے کوئی شہزادہ پسند کر لینا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے اُنہوں نے اِرد گِرد کی بُہت سی سلطنتوں کے شہزادوں کو دعوت نامے بھیجے تھے کہ وہ ان کے ہاں آئیں تا کہ شہزادی اُن سے مل کر کسی فیصلے پر پُہنچ سکے۔

ملکہ کے جانے کے بعد شہزادی پھر اُسی کھڑکی کے پاس آکر بیٹھ گئی اور کوئل کی آواز میں ایسی کھوئی کہ اُسے اپنے آپ پر قابو نہ رہا۔ اُس نے اپنی خادماؤں کو مجبور کیا کہ وہ اُسے باہر لے چلیں۔ خادماؤں کو بادشاہ کی طرف سے سخت تاکید کی گئی تھی کہ شہزادی کو محل سے باہر ہرگز نہ لے جائیں۔ لیکن شہزادی نے اُنہیں اتنا مجبور کیا کہ وہ انکار نہ کر سکیں۔ اُنہوں نے دروازے کھول دیے اور شہزادی زندگی میں پہلی بار باغ میں داخل ہوئی۔

دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ باغ میں رنگ برنگ کے پھُول کھِلے ہوئے تھے۔ پرندے اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔ سبز گھاس پر چلنا اُسے بہُت ہی بھلا لگا۔ اچانک اُس نے دیکھا کہ ایک پیاری سی رنگین تتلی ایک خادمہ کے پاس سے گُزری۔ شہزادی اس کے پیچھے دوڑی لیکن تتلی غائب ہو گئی۔ تتلی کا خیال چھُوڑ کر شہزادی نے پھُولوں کی طرف دیکھا۔ پھُول توڑتی، سُونگھتی، ناچتی کُودتی وہ خُوشی سے پاگل ہوئی جاتی تھی۔ اس خُوشی نے اُس کی خُوب صُورتی کو چار چاند لگا دیے تھے۔

تب اچانک نیلے آسمان پر ایک بگولا نمُودار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے شہزادی کو اُڑا کر

لے گیا۔

خادماؤں نے جو دیکھا کہ شہزادی غائب ہو گئی ہے تو اُن کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور وہ چیختی چلّاتی بادشاہ کے پاس گئیں۔"""

ابادشاہ اور ملکہ نے یہ ماجرا سُن کر اپنا سر پیٹ لیا۔ اُن کے ہوش و حواس اُڑ گئے۔ اُن کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں۔ ابھی وہ اِسی اُلجھن میں تھے کہ وہ تمام شہزادے ایک ایک کر کے آنا شروع ہو گئے جنہیں دعوت نامے بھیج کر بُلایا گیا تھا۔

بادشاہ نے کہا کہ جو شہزادہ شہزادی کو واپس لائے گا، اُسی سے شہزادی کی شادی کر دی جائے گی۔

یہ سُنتے ہی تمام شہزادے قسمت آزمائی کے لیے نِکل کھڑے ہوئے۔ اُنہوں نے ہر جگہ شہزادی کو تلاش کیا اور مُلک کا چپّا چپّا چھان مارا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

اِن شہزادوں میں دو حقیقی بھائی بھی تھے۔ وہ کئی ماہ اپنے گھوڑے دوڑاتے رہے، لیکن شہزادی کا کُچھ پتانہ چلا۔ تین ماہ کے بعد وُہ ایک ایسے پہاڑ کے دامن میں پُہنچ گئے جو بہت اُونچا تھا، اِتنا اُونچا کہ اُس کی چوٹی بادلوں سے بھی اُوپر تک چلی گئی تھی۔

شہزادوں کے دِل نے گواہی دی کہ شہزادی ضرُور یہیں کہیں ہے۔ وُہ گھوڑوں سے اُتر کر پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ چڑھتے چڑھتے وُہ ایسی جگہ پہنچے جہاں سے چوٹی نظر آ رہی تھی۔ وہیں اُنہیں ایک چاندی کا بنا ہوا محل نظر آیا۔ یہ محل مُرغے کے پاؤں کے طرح ایک موٹی سی سلاخ پر بنا ہوا تھا۔ یہ سُلاخ بھی چاندی کی تھی۔

محل کبھی ایک جگہ رہتا، کبھی ہوا کے زور سے گھُوم کر رُخ بدل لیتا۔ اب اُنہوں نے ایک کھڑکی میں ایک سر دیکھا جس کے تمام بال سونے کے تھے۔ شہزادوں نے سوچا کہ یہ شہزادی کی کا سر ہو سکتا ہے۔

یہ سوچ کر وہ خوشی سے پھُولے نہ سمائے کہ آخر کار وہ شہزادی کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ لیکن عین اُسی وقت شِمال کی طرف سے نہایت تیز اور برف

جیسی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ فضا میں اتنی شدید سردی پھیلی کہ ہر چیز جم گئی۔ یہی حال دونوں شہزادوں کا ہوا۔ وہ بھی جم گئے اور زمین پر گِر پڑے۔

اُدھر اُن شہزادوں کے والدین بے چینی سے اُن کی واپسی کا اِنتظار کر رہے تھے کہ ایک دن ایک فقیر محل کی طرف آ نِکلا اور بادشاہ سے بولا:

”عالی جاہ، میرے پاس آپ کے لیے ایک ضروری پیغام ہے۔“

بادشاہ فقیر کو محل کے اندر لے گیا تو فقیر نے کہا :

”میرے پاس آپ کے لیے ایک بُری خبر ہے اور ایک اچھّی۔ بُری خبر یہ کہ آپ کے دونوں بیٹے ایک پہاڑ میں جمے پڑے ہیں۔ اُن کی لاشوں پر منوں برف پڑی ہوئی ہے۔ اچھّی خبر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک اور بیٹا دے گا جو بہت بڑا آدمی بنے گا اور ایسے کارنامے کرے گا جو اِس سے پہلے کبھی کِسی نے نہ کیے ہوں گے۔“

کُچھ عرصے بعد ملکہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا، لیکن یہ کوئی عام لڑکا نہ تھا۔ اُس کی

آنکھیں شِکرے جیسی تیز تھیں۔ بھنویں ایسی جیسے کمان۔ دایاں ہاتھ سونے کا تھا۔

ابھی وُہ تین ہی دِن کا تھا کہ جھُولے میں سے نِکل کر اپنے ماں باپ کے پاس پُہنچا اور اُن سے اُن کی پریشانی کی وجہ دریافت کی۔ اُنہوں نے دونوں شہزادوں کا قصّہ بیان کر دیا۔

یہ سُن کر لڑکا بولا۔ ”آپ فکر نہ کریں۔ اگلے موسمِ بہار تک میں ایک طاقت ور نوجوان بن جاؤں گا اور پھر اپنے بھائیوں کو واپس لے آؤں گا۔“

بادشاہ اور ملکہ بہت حیران ہوئے۔ آخر وہ کُچھ ہوا جو لڑکے نے کہا تھا۔ ایک ماہ بعد وہ اِتنا بڑا ہو گیا کہ تلوار چلانے لگا۔ دو ماہ بعد وہ گھُڑسواری کا ماہر ہو گیا اور اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد اس کی مُونچھیں نِکل آئیں جو سونے کی تھیں۔

ایک دن اُس نے اپنی تلوار، ڈھال اور خنجر اُٹھائے اور اپنے والدین سے کہنے لگا :

”آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں اب بچّہ نہیں رہا، بلکہ جوان ہو گیا ہوں۔ اب میں

اپنے بھائیوں کی تلاش میں جانا چاہتا ہوں۔ مجھے دُعاؤں کے ساتھ رُخصت کیجیے۔"

بادشاہ اور ملکہ چھوٹے شہزادے کے جانے پر خوش تو نہ تھے لیکن اس کی حیرت انگیز باتیں دیکھ کر اُنہیں اِطمینان تھا کہ وہ ہر قسم کی مُشکلوں پر قابو پا لے گا۔ اُنہوں نے دُعائیں دیتے ہوئے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا، سینے سے لگایا اور خُدا حافظ کہہ رُخصت کیا۔

سونے کے ہاتھ والا شہزادہ گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا۔ وُہ چلتا رہا، کئی دِن چلتا رہا۔ آخر کئی ندی، نالے، دریا اور پہاڑ عُبُور کر کے وہ ایک گھنے جنگل میں پہنچا۔ اس جنگل کے بیچوں بیچ ایک لمبا چوڑا میدان تھا۔

اس میدان کے درمیان میں ایک مکان تھا۔ یہ مکان ایک بُہت موٹی سلاخ پر کھڑا تھا اور دُور سے یوں نظر آتا تھا جیسے مُرغا ایک ٹانگ پر کھڑا ہے۔ مکان کے اِرد گِرد دُور دُور تک لالہ کے پھُول کِھلے تھے۔ شہزادہ اِن پھُولوں کے نزدیک پُہنچا تو اُسے اِس قدر نیند آئی کہ آنکھیں کھُلی رکھنا مُشکل ہو گیا۔ لیکن اُس نے

گھوڑے کو ایڑ لگائی اور پھُولوں کو روندتا، مَسلتا اُس مکان کے پاس پُہنچ گیا۔ وہاں پُہنچ کر وہ چِلّایا:

"اے مکان، اپنا دروازہ اِدھر کر، تاکہ میں اندر داخل ہو سکوں۔"

فضا میں چرچراہٹ کی آواز پیدا ہوئی اور مکان سلاخ پر گھُوم گیا۔ دروازہ شہزادے کے سامنے آ کر رُک گیا۔ اور وہ فوراً مکان میں داخل ہو گیا۔

اندر داخل ہوتے ہی اُس کی نظر ایک بُڑھیا پر پڑی جِس کے سر کے بال بالکل سفید تھے اور چہرے پر جھُرّیاں پڑی ہوئی تھیں۔ وُہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے کسی گہری سوچ میں چھت کی طرف دیکھ رہی تھی۔

بُوڑھی عورت کے پہلو میں دو خُوب صُورت نوجوان لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ اُن کے چہروں کی رنگت گلابی تھی اور آنکھیں یُوں چمک رہی تھیں جیسے ان میں دِیے جل رہے ہیں۔

بُڑھیا، جس کا نام یاگا تھا، بولی "آؤ آؤ، سُنہری بازُو والے شہزادے۔ خیریت تو

ہے؟ تُم اِدھر کِدھر آ نکلے؟"

شہزادے نے اپنا مقصد بیان کیا تو یا گا بولی۔ "تُمہارے بھائی سُنہرے بالوں والی اس شہزادی کے پیچھے گئے تھے جسے بگُولا اُڑا کر لے گیا تھا، اور اب وہ پہاڑ کی اُس چوٹی کے پاس، جو بادلوں سے بھی اُونچی ہے، برف میں دبے پڑے ہیں۔"

شہزادے نے پُوچھا۔ "تو میں بگُولے سے کہاں مِل سکتا ہوں؟"

"ارے بیٹے، یا گا بولی۔ "یہ ظُلم نہ کرنا۔ تُمہاری ابھی عُمر ہی کیا ہے۔ بگُولے سے دُور رہنا۔ وُہ تو تُمہیں پیس کر رکھ دے گا۔ مُجھے دیکھو، میں بگُولے کے ڈر سے پچھلے ایک سو سال سے گھر سے باہر نہیں نِکلی کہ کہیں وہ مُجھے اُٹھا کر اپنے پہاڑ پر نہ لے جائے۔"

شہزادہ بولا۔ "وُہ میرا کُچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میرا ایک ہاتھ سونے کا ہے۔ یہ دیکھو۔۔۔"

یا گا نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ اگر تُم اُس سے نہیں ڈرتے تو میں تُمہاری مدد کرنے کو

تیّار ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اگر تُم کامیاب ہو جاؤ تو واپسی پر میرے لیے ایسا پانی لے کر آنا جسے بدن پر چھڑکنے سے انسان دوبارہ جوان ہو جاتا ہے۔"

شہزادہ بولا۔ "مُجھ سے جو کُچھ ہو سکا، کروں گا۔" "تو یوں کرو" یاگا بولی۔ "میں تُمھیں اس کام کے لیے تین چیزیں دیتی ہوں۔ یہ ہے اُون کی گیند، جس وقت چلنے کا اِرادہ کرو، اِسے زمین پر پھینک دو۔ یہ دوڑنے لگے گی۔ جِدھر گیند جائے، تم اُس کے پیچھے چلے جاؤ۔ یہ تُمھیں اس پہاڑ تک لے جائے گی جہاں بگُولا رہتا ہے۔ بگُولے کی غیر حاضری میں شمالی اور جنوبی طوفانی ہوائیں پہاڑ کے گرد پہرا دیتی ہیں۔"

"دوسری چیز ہے، اُونی ٹوپی۔ پہاڑ پر چڑھتے وقت فوراً یہ ٹوپی سر پر رکھ لینا۔ سردی ختم ہو جائے گی۔"

"تیسری چیز ہے یہ صُراحی، جو اُونی کپڑے میں لپٹی ہوئی ہے۔ سرد علاقے سے گُزرنے کے بعد اِس پہاڑی پر ایک ایسا علاقہ آئے گا جہاں سخت گرمی ہو گی۔ اِتنی گرمی کہ تُمھارا سانس بند ہو جائے گا۔ اس وقت صراحی میں سے ایک گھُونٹ پانی

پی لینا۔ گرمی کا اثر کم ہو جائے گا۔ رہی یہ بات کہ بگُولے سے تُم کیسے نپٹو گے تو وہ تم جانو۔ میرے لیے آتے وقت وہ پانی ضرُور لیتے آنا جسے بدن پر چھڑک کر اِنسان دوبارہ جوان بن جاتا ہے۔ "

شہزادے نے اُون کی گیند، ٹوپی اور صُراحی لی۔ یاگا کا شکریہ ادا کیا اور اُسے اور اُس کی خُوب صُورت لڑکیوں کو خُدا حافظ کہہ کے رُخصت ہو گیا۔ اُس نے گیند زمین پر پھینکی تو وہ تیزی سے دوڑنے لگی۔ اُس نے گھوڑا گیند کے پیچھے ڈال دیا۔

دوڑتے دوڑتے گیند ایک مُلک سے گُزری، پھر دوسرے سے، پھر تیسرے میں داخل ہو گئی۔ اس ملک کے درمیان میں ایک بڑا ہی خُوب صُورت، سرسبز و شاداب علاقہ آیا۔ یہاں سے وہ اُونچی پہاڑی نظر آئی جِس کی چوٹی بادلوں سے بھی اُونچی تھی۔ وُہ سمجھ گیا کہ اب وہ نزدیک پہنچ گیا ہے۔ یہاں گیند رُک گئی۔ شہزادہ پہلے پریشان ہوا، پھر مُسکرا دیا۔ وُہ گیند کا اِشارہ سمجھ چُکا تھا۔

وہ گھوڑے سے اُترا اور گھوڑے کو گھاس چرنے کے لیے وہیں چھوڑ دیا۔ اب گیند پہاڑی پر چڑھنے لگی۔ شہزادہ اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔ پہاڑی پر چڑھنا کوئی آسان تو

ہو تا نہیں۔ کُچھ دیر بعد اُس نے اُوپر نظر اُٹھائی تو ابھی آدھا راستہ باقی تھا۔

اچانک ٹھنڈی ہوا چلنے لگی اور اس قدر سردی ہو گئی کر شہزادہ کانپنے لگا۔ قریب تھا کہ رگوں میں اُس کا خون جم جاتا کہ اُسے ٹوپی کا خیال آ گیا۔ اُس نے جھٹ ٹوپی پہن لی۔ اس کی کپکپاہٹ ختم ہو گئی۔ شِمالی طوفانی ہوا اور بھی زور سے چلنے لگی، لیکن شہزادہ اب سردی محسوس نہیں کر رہا تھا بلکہ تھوڑی دیر بعد اُسے اپنی جیکٹ کے بٹن کھولنے پڑے۔ پسینے سے اُس کا جسم شرابور ہو گیا تھا، لیکن وہ چلتا ہی رہا۔ اُوپر چڑھتا ہی رہا۔

گیند اچانک برف کے ایک ڈھیر پر رُک گئی۔ شہزادے نے رُک کر غُور سے دیکھا تو اُسے برف کے نیچے دو خُوب صُورت نوجوان دبے نظر آئے۔ اُس نے بڑی محنت سے کچھ برف ہٹائی تو اُسے یقین ہو گیا کہ دونوں اُس کے بھائی ہیں۔ اُس نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور اللہ تعالیٰ سے اُن کی بخشش کی دُعا مانگی۔ اتنے میں گیند آگے چل دی۔

شہزادے نے بھائیوں کی لاشوں کو وہیں چھوڑا اور گیند کے پیچھے چلا گیا۔ اب اُسے

دُور سے چاندی کا محل نظر آنے لگا تھا، جو چاندی ہی کی ایک سلاخ پر کھڑا ایسا لگ رہا تھا جیسے مُرغا ایک ٹانگ پر کھڑا ہو۔

اُس نے گھومتے ہوئے محل کی کھڑکیوں پر نظر دوڑائی تو ایک کھڑکی میں سے سُنہری بال نظر آئے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ یقیناً اُسی شہزادی کے بال ہیں جس کے پیچھے اُس کے دونوں بڑے بھائی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ یکایک گرم گرم ہوا کا تھپیڑا اُس کے کے مُنہ پر پڑا۔ اُس نے محسوس کیا کہ یہاں جھُلسا دینے والی لُو چل رہی ہے، گرمی اِتنی بڑھی کہ درختوں کے پتّے جل جل کر گِرنے لگے۔ ہر طرف گرم ریت اُڑنے لگی۔ شہزادے نے اپنی آنکھیں جھپکائیں تو کان جلنے لگے اور کان چھُپائے تو ہاتھ جلنے لگے۔

قریب تھا کر گرمی کے مارے شہزادے کا دم گھُٹ جاتا اور وُہ بھی اپنے بھائیوں کی طرح مر کھپ جاتا کہ بُڑھیا کی دی ہوئی صُراحی کا خیال آ گیا۔ اس خیال آتے ہی اُس نے صُراحی کا مُنہ کھولا اور تھوڑا سا پی لیا۔ اب گرمی اُس کا کُچھ نہ بگاڑ سکتی تھی۔ وُہ چلتا گیا۔

گیند اُوپر ہی اُوپر جا رہی تھی۔ شہزادہ بُہت سی گھاٹیوں کو عبور کرتا ہوا آخر کار چاندی کے محل پہنچ گیا۔ برف میں چاندی کے محل کا عکس بہت خُوب صُورت نظر آتا تھا۔ محل کی کھڑکیاں اور جھت سونے کی بنی ہوئی تھیں۔

برف اور محل کے درمیان اِتنی بڑی کھائی تھی۔ شہزادے کی سمجھ میں نہ آیا کہ اِس محل میں کوئی داخل ہو سکتا ہے۔ لیکن شہزادی کھڑکی میں بیٹھی صاف نظر آ رہی تھی۔ اُس کے سُنہری بال ہوا میں لہرا رہے تھے اور بڑی اُداس اور غم گین دِکھائی دیتی تھی۔

شہزادی کو دیکھتے ہی شہزادے نے کہا۔ ”اے محل گھُوم کر دروازہ میرے سامنے لا، تاکہ میں شہزادی کے پاس آسکوں۔“

چرچراہٹ کے ساتھ محل مرغے کی طرح چاندی کی سلاخ پر گھُوما اور جب دروازہ شہزادے کے بالکل سامنے آگیا تو محل رُک گیا۔ شہزادہ بھاگ کر محل میں داخل ہو گیا۔ دروازہ پیچھے سے بند ہو گیا اور محل گھُوم کہ پھر اپنی پہلی حالت پر آگیا۔

شہزادے نے خُود کو ایک ایسے کمرے میں پایا جو روشنی سے چمک رہا تھا۔ کمرے

کی تمام دیواریں شیشے کی بنی ہوئی تھیں اور ہر شیشے میں ایک خُوب صُورت شہزادی نظر آرہی تھی۔ ان کی شکلیں ایک جیسی تھیں۔ لباس بھی ایک جیسا اور دیکھنے کا انداز بھی ایک جیسا۔ لیکن جب اُس نے ایک لڑکی کو چھُوا تو اُسے محسوس ہوا کہ لڑکی تو ایک ہی ہے، باقی تو اُس کے عکس ہیں۔

شہزادے کو دیکھ کر شہزادی خُوشی سے چلّائی۔ "تم میرے لیے رحمت کا فرشتہ بن کر آئے ہو۔ کون ہو تم؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیا تُمھیں میرے والدین نے بھیجا ہے؟ "

شہزادہ بولا۔ "میں اپنی مرضی سے آیا ہوں۔ تُمہارے والدین نے مُجھے نہیں بھیجا۔ لیکن میں تُمھیں اُن کے پاس لے جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر اُس نے شہزادی کو بتایا کہ جب بگُولا اُسے اُٹھا کر لے گیا تو کِس طرح اُس کے بھائیوں نے اُس کا پیچھا کیا۔ پھر اُن دونوں پر کیا گُزری۔

شہزادی یہ سننے کے بعد اُداسی سے بولی۔ "میں تُمہاری بہُت احسان مند ہوں کہ تُم یہاں آئے۔ جس جان جوکھوں کا سفر کر کے تُم یہاں تک پہنچے ہو اور جو جو

قربانیاں تُم نے میرے لیے دی ہیں، اللہ تُمھیں اُس کا صلہ دے لیکن مُجھے اُمّید نہیں کہ تُم مُجھے لے جا سکو گے۔ یہ بگُولا بُہت ظالم ہے۔ اس پر کوئی قابو نہیں پا سکتا۔ خُوش قسمتی سے اِس وقت وہ یہاں نہیں ہے۔ تُم اپنی جان بچاؤ اور مُجھے میرے حال پر چھوڑ کر چلے جاؤ۔ وُہ تُمھیں مار ڈالے گا۔"

شہزادہ بڑی بہادری سے بولا۔ "اگر میں تُمھیں بگُولے کی قید سے چھُڑانے میں کامیاب نہ ہو سکا تو میرا زندہ رہنے کا کیا فائدہ۔ یہ کام تو میں کر کے رہوں گا۔ تُم صرف یہ کرو کہ بگُولا جو پانی پیتا ہے، وہ مُجھے بھی پلا دو۔ "

شہزادی بھاگ کر اُس کُنویں کے پاس گئی جس سے بگُولا پانی پیتا تھا۔ وہ ایک لوٹا بھر کر لے آئی۔ شہزادے نے سارا لوٹا ایک ہی سانس میں پی لیا۔ شہزادی دوسرا لوٹا لائی، اور وُہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ شہزادہ دوسرا لوٹا بھی دیکھتے ہی دیکھتے پی گیا۔

پھر وُہ شہزادی سے بولا:

"کیا میں کہیں بیٹھ سکتا ہوں؟"

شہزادی نے ایک لوہے کی کُرسی کی طرف اِشارہ کیا۔

شہزادہ اُس پر بیٹھا تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور شہزادہ مُشکل سے گِرتے گِرتے بچا۔ تب شہزادی وہ کُرسی لے آئی جس پر بگُولا خود بیٹھتا تھا۔ شہزادہ اُس پر بیٹھا تو یہ ٹوٹنے سے تو بچ گئی لیکن جھک گئی۔ اس پر شہزادہ بولا :

''تُم نے دیکھا، میں بگُولے سے بھی زیادہ وزنی ہو گیا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو میں طاقت میں بھی اُس سے بڑھ کر ثابت ہوں گا اور اُسے شکست دے کر تُمہیں چھڑا کر لے جاؤں گا۔ جب تک بگُولا نہیں آ جاتا، ذرا یہ تو بتاؤ تُمہاری یہاں کیسی گُزر رہی ہے ؟ ''

شہزادی بولی۔ ''کیا بتاؤں، یہاں کِس قدر پریشان ہوں۔ بگُولا مُجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں اُس سے شادی کر لوں۔ لیکن میں اُسے اب تک ٹالتی آ رہی ہوں۔ میں نے اُس سے پانچ پہیلیاں بُوجھنے کو کہا ہے اور اُسے بتا دیا ہے کہ میں صرف اُسی شخص سے شادی کروں گی جو میری یہ پہیلیاں بُوجھ لے گا۔ وُہ دو سال سے کوشش کہ رہا ہے، لیکن میری ایک پہیلی بھی نہیں بُوجھ سکا ہے۔ تنگ آ کر اُس نے مُجھے دھمکی دی ہے کہ اب وہ مُجھ سے زبردستی شادی کرے گا۔ اے

شہزادے تُم عین صحیح موقع پر آئے ہو، اور میں بہت خوش ہُوں۔"

اچانک تیز ہوا کی سیٹی سُنائی دی۔ شہزادی گھبرا کر بولی۔ "لو، وہ آ گیا۔۔۔"

محل جھٹکوں سے گھُومنے لگا اور ہر طرف شور برپا ہو گیا۔ ہزاروں پرندے چیختے چلّاتے نیچے گِرنے لگے اور محل کے تمام دروازے دھڑ دھڑ کھُلنے اور بند ہونے لگے۔ تب اُس دروازے سے جس کے پاس شہزادہ اور شہزادی بیٹھے تھے، بگُولا ایک پَر دار گھوڑے پر سوار تیزی سے اندر داخل ہوا۔ شہزادی کے پاس ایک اجنبی کو بیٹھا دیکھ گھوڑے نے غصّے سے پر پھڑ پھڑائے۔

بگُولے کا جسم بہت لمبا چوڑا تھا اور اُس کا سر اژدھے کا تھا۔ وہ گرج کر بولا۔ "اے لڑکے! تُم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

شہزادے نے کہا۔ "میں تُمہارا دُشمن ہوں اور تُمہارا خون کرنے آیا ہوں۔"

بگُولا بولا۔ "جس حوصلے سے تُم نے یہ بات کی ہے۔ قابلِ تعریف ہے، لیکن تُمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ یہاں سے بھاگ جاؤ، ورنہ میں تُمہیں بائیں ہاتھ پر

بٹھا کر دائیں ہاتھ سے اس طرح کُچلوں گا کہ تُمہاری ہڈّی پسلی ایک ہو جائے گی۔

شہزادہ بولا۔ ’’ذرا کوشش تو کرو۔‘‘

یہ سُنتے ہی بگُولا غصّے سے لال پیلا ہو گیا اور اپنا بڑا سا مُنہ، جس میں سے آگ کے شُعلے نِکل رہے تھے، کھول کر شہزادے کو نگلنے کے لیے آگے بڑھا۔ لیکن شہزادہ اُس سے پہلو بچا کر ایک طرف سمٹ گیا۔ پھر اُس نے سونے کا ہاتھ بگُولے کے کھُلے مُنہ میں ڈال کر اُس کی زبان پکڑ لی اور دُوسرے ہاتھ سے اُس کو دھکّا دیا۔ شہزادے میں اِس قدر طاقت تھی کہ اُس کے ایک ہی دھکّے سے بگُولا اِتنے زور سے دیوار کے ساتھ ٹکرایا کہ اُس کا سر پھٹ گیا۔

بگُولے اور شہزادے کی لڑائی دیکھ کر شہزادی کانپنے لگی تھی۔ شہزادے نے اُس کو تسلّی دی۔ پھر اُسے لے کر محل کا ایک چکّر لگایا۔ محل میں اُسے تین کُنویں نظر آئے۔ ایک میں ایسا پانی تھا جسے اگر مُردے پر چھڑک دیا جائے تو وہ زندہ ہو جائے۔ دوسرے میں ایسا پانی تھا کہ بُوڑھا پی لے تو جوان ہو جائے۔ تیسرے میں ایسا پانی تھا کہ جو پی لے، پہلے سے زیادہ طاقت ور ہو جائے۔

شہزادے نے تینوں کُنوؤں سے ایک ایک بوتل پانی بھرا۔ پھر بگُولے کے پَروں والے گھوڑے کی باگ پکڑی اور محل سے بولا:

"اے محل، گھُوم کر دروازہ میرے سامنے لا تاکہ میں باہر نِکل سکوں۔"

چرچراہٹ کی آواز آئی اور محل گھُوم کر ایک جھٹکے سے رُک گیا۔ شہزادے نے شہزادی کو اپنے ساتھ گھوڑے پر سوار کیا اور بولا:

"بگُولے کے گھوڑے، آج سے میں تُمہارا مالک ہوں۔ جس طرف اِشارہ کروں، اُسی طرف بھاگو۔"

یہ کہہ کر اُس نے اُس گھاٹی کی طرف اُنگلی اُٹھائی جہاں اُس کے بھائیوں کی لاشیں برف، میں دبی پڑی تھیں۔ گھوڑے نے پَر پھیلانے اور ایک ہی اُڑان میں گھاٹی پر پہنچ کر آہستہ سے اُس جگہ اُتر گیا۔ کُچھ بَرف تو شہزادہ پہلے ہی ہٹا گیا تھا، اب اُس نے باقی بَرف بھی صاف کر دی اور وہ پانی لاشوں پر چھِڑکا جس سے مُردے زندہ ہو جاتے تھے۔

جُوں ہی پانی لاشوں پر پڑا، اُس کے بھائیوں نے پہلے آنکھیں کھولیں اور پھر اُن کے زرد چہروں پر لالی دوڑ گئی۔ وہ انگڑائی لے کر اُٹھ بیٹھے اور بولے:

"بڑی گہری نیند سوئے، بھئی۔ لیکن یہ کیا؟ سُنہری بالوں والی شہزادی تو ایک اجنبی کے ساتھ ہے۔ یہ کیا بات ہے؟"

سُنہری ہاتھ والے شہزادے نے جلدی جلدی اپنے بھائیوں کو سب کچھ بتایا۔ پھر اُن دونوں کو گھوڑے کے پیچھے بٹھا کر اُس علاقے کی طرف اِشارہ کیا جہاں یاگا کا مکان تھا۔

گھوڑا پَر ہلاتا ہوا بہت اُونچی اُڑان اُڑا اور پلک جھپکتے میں اُس میدان میں اُترا جہاں گُلِ لالہ کے پھُول کھلے ہوئے تھے۔ شہزادے نے اُونچی آواز سے کہا: "اے مکان، گھُوم کر دروازہ میرے سامنے لا"!

مکان گھُوما اور دروازہ اِن لوگوں کے سامنے آ کر رُک گیا۔ دروازہ کھُلا تو یاگا اُن کی طرف لپکی اور شہزادے کو اُس کی کامیابی پر مبارک دینے لگی۔ شہزادے نے اُسے وُہ بوتل دی جس میں بُوڑھوں کو جوان بنانے والا پانی تھا۔

یاگا نے بوتل لیتے ہی پانی اپنے اُوپر چھڑکنا شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس کے چہرے کی جھُرّیاں ختم گئیں اور وُہ بیس بائیس سال کی جوان عورت بن گئی۔ اُس نے شہزادے نے کہا:

"مانگو، کیامانگتے ہو؟ میں کِسی چیز سے اِنکار نہیں کروں گی۔"

عین اِس موقعے پر یاگا کی دونوں خُوب صورت اور گلاب کی طرح سُرخ لڑکیوں نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔ شہزادے کے بھائیوں نے اُنہیں دیکھتے ہی یاگا سے کہا۔ "اِن لڑکیوں کی ہم دونوں بھائیوں سے شادی کر دو۔"

یاگا نے مُسکرا کر کہا۔ "منظور ہے۔" یہ کہہ کر اُس نے دونوں لڑکیوں کو شہزادوں کے پاس آنے کا اِشارہ کیا۔

گھوڑے پر ابھی دو اور آدمیوں کے بیٹھنے کی گُنجائش تھی۔ یاگا نے لڑکیوں کو تھوڑا تھوڑا سامان باندھنے کو کہا، اور جب سب گھوڑے پر سوار ہو گئے تو سُنہری ہاتھ والے چھوٹے شہزادے نے گھوڑے کو اِشارہ کیا اور وہ اُسی طرف چل دیا جِدھر شہزادے نے اِشارہ کیا تھا۔

گھوڑا اِتنا اُونچا اُڑا کہ بادلوں میں پہنچ گیا۔ پھر دو گھنٹے کی اُڑان کے بعد وہ اُس باغ میں اُترا جس میں سے بگُولا شہزادی کو اُٹھا کر لے گیا تھا۔

جب بادشاہ اور مَلِکہ کو پتا چلا کہ اُن کی پیاری بیٹی واپس آ گئی ہے تو وہ بھی بھاگتے ہوئے محل سے باہر آئے اور اپنی بیٹی سے لپٹ کر رونے لگے۔ پھر وہ سب محل میں چلے گئے، جہاں چھوٹے شہزادے نے سارا قصّہ اُنھیں سُنایا۔

بادشاہ نے کہا۔ ”میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ شہزادے، میں اپنی بیٹی کی شادی تُمہارے ساتھ کروں گا اور تُمہیں اپنی آدھی سلطنت بھی دوں گا۔ آدھی سلطنت میری موت نے بعد تُمہیں ملے گی۔“

شہزادی بولی۔ ”ابّا جان، میں نے قسم کھائی تھی کہ اُسی شخص سے شادی کروں گی جو میری پانچ پہیلیاں بُوجھے گا۔ میں اپنی قسم توڑنا نہیں چاہتی۔“ بادشاہ یہ سُن کر خاموش ہو گیا۔ لیکن شہزادے نے کہا۔ ”ٹھیک ہے۔ آپ قسم نہ توڑیں، میں آپ کی پہیلیاں بُوجھنے کی کوشش کروں گا۔“

شہزادی بولی۔ ”پہلی پہیلی یہ ہے:

ایک پاؤں پہ گھُومتا جاؤں

ٹھوکر کھاؤں، سارا گنواؤں"

"شہزادہ یہ سُن کر چکّر میں پڑ گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ ایسی کون سی چیز ہو سکتی ہے، جو صرف ایک پاؤں پر گھُومے اور اگر اُسے ٹھوکر لگے تو اُس کے اندر جو کچھ ہے، سب گِر جائے۔

اچانک شہزادے کی نظر اپنے بڑے بھائی پر پڑی۔ وُہ اپنے ہاتھ کو مُنہ کے پاس یُوں لے جا رہا تھا جیسے گلاس میں پانی پی رہا ہو۔

شہزادہ مُسکرایا اور شہزادی سے بولا:

"پانی کا گلاس۔"

"شاباش۔۔۔!" شہزادی خُوش ہو کر بولی۔

"دوسری پہیلی یہ ہے:

زبان نہیں، پر بولتا ہوں

سارے دُکھڑے کھولتا ہُوں

دیکھ سکے نہ کوئی مُجھے

سُنتے ہیں سارے مُجھے

شہزادہ خُوشی سے چلّایا۔ "درد۔۔۔"

"بہت خوب!" شہزادی بولی۔ "اب تیسری پہیلی سُنو!

آگ مُجھے جلائے نہ

جھاڑو مُجھے ہلائے نہ

کوئی مُجھے بنائے نہ

کوئی جگہ چھُپائے نہ"

شہزادہ یہ سُن کر ایک دم پھر پریشان ہو گیا اور اُس نے اپنے سُنہری ہاتھ سے سر کھُجانا شروع کر دیا۔ اُس نے پہلے فرش پر نظر ڈالی پھر چھت پر اور جب دربارہ

فرش کی طرف دیکھا تو شہزادی ایسی جگہ کھڑی ہو گئی جہاں سُورج کی شُعاع اُس کے چہرے پر پڑ رہی تھی اور وُہ آنکھوں کو سُورج کی روشنی سے بچانے کے لیے اُن پر ہاتھ رکھ رہی تھی۔ یہ اشارہ کافی تھا۔ شہزادہ خُوشی سے چلّایا:

"سورج کی شعاع۔۔"

"بالکل ٹھیک۔۔" شہزادی بولی۔

"اب چوتھی پہیلی سنو:

آدم سے پہلے دُنیا میں آیا دورنگا جوڑا سلوایا

گُزرے ہزاروں لاکھوں سال

شکل نہ بدلی، نہ بدلی چال"

یہ کہہ کے شہزادی اور دیوار پر لگے ہوئے کلاک کو دیکھنے لگی۔ سب خاموش ہو گئے۔ شہزادے نے بُہت سوچا، مگر سمجھ میں نہ آیا۔ اُس نے شہزادی کی طرف دیکھا تو وُہ پھر کلاک کی طرف دیکھنے لگی۔

شہزادے کے چہرے پر ہلکی سی مُسکراہٹ آئی اور وُہ چلّایا۔ ''وقت۔۔۔''

شہزادی بولی ''بالکل ٹھیک۔ اب پانچواں اور آخری سوال۔ یہ سب سے آسان ہے اور جو اسے بُوجھ لے میں اُس سے شادی کر لوں گی۔ سوال یہ ہے، دن کو گول، رات ہو سانپ۔'' یہ کہہ کر شہزادی نے اپنی کمر میں بندھی ہوئی پیٹی پر ہاتھ لگایا۔ شہزادے کے لیے اتنا اِشارہ ہی کافی تھا۔ وہ خُوشی سے چلّایا۔ ''پیٹی۔۔۔۔''

فوراً ہی ایک ہرکارہ شہزاروں کے والدین کے پاس بھیجا گیا جِس نے اُن کو بتایا کہ تینوں شہزادے خیریت سے ہیں۔ پھر جب اُن کے والدین بھی آ گئے تو تینوں شہزادوں کی شادیاں بڑی دھُوم دھام سے کر دی گئیں اور سب لوگ ہنسی خُوشی رہنے لگے۔

سُنہری بال

یورپ کے ایک چھوٹے سے امیر مُلک بوہیمیا (جسے اب چیکوسلواکیہ کہتے ہیں) پر ایک بادشاہ راج کرتا تھا۔ اس کے پاس اللہ کا دیا سب کُچھ تھا، لیکن پھر بھی وہ ہمیشہ کُچھ نہ کُچھ حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہتا۔

ایک دِن گاؤں کی ایک بُوڑھی عورت محل میں آئی اور سیدھی بادشاہ کے پاس پُہنچی۔ بُڑھیا کے پاس ایک ٹوکری تھی اور ٹوکری میں ایک بام مچھلی تھی۔

بُڑھیا نے بادشاہ کو بتایا کہ جو کوئی بھی اِس مچھلی کو پکا کر کھائے گا، وہ دنیا بھر کے کیڑے مکوڑوں اور جانوروں کی بولی سمجھنے کے قابل ہو جائے گا، اور اُن سے

باتیں کر سکے گا۔

بادشاہ بڑا خُوش ہوا کہ مچھلی کھانے سے اُس میں ایک ایسی صفت پیدا ہو جائے گی جو دنیا کے کسی انسان میں نہیں ہے۔ اُس نے اپنے نوکر، جان سے کہا کہ سونے "" کی اشرفوں سے بھرا ہوا ایک تھیلا اُس بُڑھیا کو دے دیا جائے اور مچھلی کے فوراً پکوا کر کھانے کے لیے پیش کیا جائے۔

بادشاہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ پرندوں اور جانوروں کی باتیں سمجھنے کی صِفت کسی اور میں بھی پیدا ہو، اس لیے اس نے جان سے کہا :

”خبردار! اگر تُم نے ذرا سی بھی مچھلی چکھنے کی کوشش کی تو تُمہارا سر قلم کر دیا جائے گا۔ “

جان نے سوچا کہ یہ مچھلی، جس کے لیے بادشاہ نے اتنی بڑی رقم دی ہے، کوئی عام مچھلی نہیں ہو سکتی۔ ضرور اس میں کوئی خاص بات ہے۔

جب مچھلی پک کر تیّار ہو گئی تو جان سے رہا نہ گیا اور اُس نے ایک نوالہ کھا لیا۔ نوالے کا کھانا تھا کہ اُس کے کانوں میں آواز آنے لگیں۔ ”تھوڑی سی ہمیں بھی دو۔۔۔ تھوڑی سی ہمیں بھی۔۔۔۔ “

وُہ سوچنے لگا کہ یہ آواز کس کی ہے؟ کمرے میں تو اُس کے سوا اور کوئی تھا ہی نہیں، سوائے چند مکھّیوں کے۔ اچانک اُسے اِحساس ہوا کہ یہ دراصل اِن مکھّیوں ہی کی آواز تھی۔ اب وُہ سمجھ گیا کہ یہ جادُو کی مچھلی تھی۔ اسی لیے بادشاہ نے اِتنا سخت حکم دیا تھا۔ اُس نے ایک اور ٹکڑا کھالیا اور پھر مچھلی کی پلیٹ بادشاہ کو پیش کر دی۔

کھانا کھانے کے بعد بادشاہ نے جان کو حکم دیا کہ دو گھوڑے سواری کے لیے تیّار کیے جائیں۔ ہم باہر گھُومنے جائیں گے اور تُم ہمارے ساتھ چلو گئے۔

بادشاہ کو اِس لیے باہر جانا چاہتا تھا کہ وہ بُڑھیا کی بات کو آزمائے کہ کیا بام مچھلی کھانے کے بعد جانوروں کی باتیں اُس کی سمجھ میں آتی ہیں یا نہیں۔ لیکن جان بھی مکھّیوں کی باتیں سمجھنے کے بعد اور جانوروں کی باتیں سُننا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ بھی باہر جانے کے لیے بڑا بے چین تھا۔

جب وہ گھوڑوں پر سوار شہر سے باہر نِکل گئے تو جان کا گھوڑا ہنہنا کر بادشاہ کے گھوڑے سے بولا:

”آج میں بہت خوش ہوں۔ دل چاہتا ہے کہ یہ جو پہاڑ ہے، اس کے اُوپر سے کُود جاؤں۔ “

اب بادشاہ کا گھوڑا نتھنے پھڑ پھڑا کر بولا۔ ”اس پہاڑ کے اُوپر سے کود جانے کو تو میرا دِل بھی چاہتا ہے لیکن اگر میں نے ایسا کیا تو یہ جو بے وقوف بُڈّھا میرے اُوپر سوار ہے، اِس کی ہڈّی پسلی ٹُوٹ جائے گی۔ “

جان کا گھوڑا بولا۔ ”خوب زور سے پٹخنی دینا اِسے، تا کہ اِس سے تُمہاری جان چھوٹے اور کِسی جوان کو سواری کرنے کا موقع ملے۔ “

یہ سُنتے ہی جان کی ہنسی نِکل گئی۔ لیکن اُسے فوراً ہی یاد آیا کہ گھوڑوں کی یہ باتیں تو بادشاہ نے بھی سُنی ہوں گی۔ اس نے جلدی سے اپنے ہونٹ بند کر لیے جیسے کُچھ ہوا ہی نہیں۔

بادشاہ نے گھُوم کر شک بھری نظروں سے جان کو دیکھا اور کہا۔ ”کیا ہوا؟ کس بات پر ہنس رہے ہو؟ “

جان نے کہا۔ ”کچھ نہیں، عالی جاہ۔ “

بادشاہ نے گھوڑے کا رُخ محل کی طرف پھیرا۔ گھوڑے کی بات سُن کر نہ تو اُسے گھوڑے پہ اعتبار رہا تھا، نہ جان پر۔ وہ گھوڑے سے خوف زدہ ہو گیا تھا کہ وہ کِسی دِن اُسے مار نہ ڈالے۔ جان پر اُسے یہ شک تھا کہ شاید اُس نے کی بام مچھلی کا گوشت کھا لیا ہے۔

محل میں واپس آ کر بادشاہ نے جان کو حکم دیا کہ وہ ٹھنڈے پانی کی بوتل سے ایک گلاس بھر کر دے۔ اگر ایسا کرتے ہوئے ایک قطرہ بھی باہر گِر پڑا تو اُس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ جان نے بڑی اِحتیاط سے پانی گلاس میں ڈالنا شروع کیا۔ ابھی گلاس پُورا نہ بھرا تھا کہ کھڑکی میں سے دو چڑیاں اُڑتی ہوئی اندر آئیں۔ وہ دونوں کِسی بات پر لڑ رہی تھیں۔ جان اُن کی باتیں سمجھ رہا تھا۔ ایک چڑیا نے دوسری سے کہا:

”ان میں سے ایک سونے کا بال مُجھے دو۔ “

دوسری چڑیا چلّائی۔ ”نہیں، نہیں۔ یہ میرے ہیں۔ میں نے انہیں اُس وقت اُٹھایا

تھا جب سُنہری بالوں والی شہزادی اپنے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ "

اس پر پہلی چڑیا نے زور سے دوسری چڑیا کے چونچ ماری اور ایک سُنہری بال زمین پر گِر پڑا۔ جان نے سر گھُما کر سونے کے بال کی طرف دیکھا تو ایسا کرتے ہوئے گلاس چھلک گیا۔

بادشاہ گرج کر بولا۔ "میں نے کہا تھا، اگر گلاس سے پانی گِرا تو تُمہارا سر کاٹ دُوں گا۔ اب میں صِرف ایک شرط پر تُمہاری جان بخشی کر سکتا ہوں کہ تُم سُنہری بالوں والی شہزادی کو لے آؤ تا کہ میں اُس سے شادی کر سکوں۔

جان بُہت گھبرایا اور سوچنے لگا کہ سُنہری بالوں والی شہزادی کو کہاں سے لاؤں؟ اُس نے گھوڑا نکالا اور بغیر سوچے سمجھے اُس کو ایڑ لگا دی۔ اُس نے فیصلہ کر لیا کہ جدھر گھوڑا جائے گا، اُدھر ہی جاؤں گا۔

تھوڑی دیر بعد گھوڑا ایک جنگل میں سے گُزر رہا تھا۔ جان نے راستے کے کنارے ایک جگہ آگ جلتی دیکھی جو کسی لکڑہارے نے لگائی تھی۔ آگ کے پاس ہی چیونٹیوں کا گھر تھا اور وہ گرمی سے گھبرا کر باہر نِکل رہی تھیں۔ جان نے غور سے

سُناتووہ کہہ رہی تھیں:

"یااللہ! کسی کو ہماری مدد کے لیے بھیج۔ ہمارے انڈے جل رہے ہیں۔ "

ان کی ننّھی مُنّی آوازیں اتنی دردناک تھیں کہ جان سے رہانہ گیا۔ وہ گھوڑے سے اُترا اور درخت کی ایک شاخ سے آگ چیونٹیوں کے گھر سے بہت دُور کر دی۔ جان کے اِس نیک کام پر چیونٹیوں نے جان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اگر کبھی اُسے اُن کی مدد کی ضرورت پڑی تو وہ اُس کے کام آئیں گی۔

جان اس بات پر مُسکرادیا کہ یہ ننّھی سی مخلوق بھلا میری کیا مدد کر سکے گی۔ پھر وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور آگے چل دیا۔ تھوڑی ہی دُور گیا تھا کہ ایک اُونچا درخت دِکھائی دیا جس پر کِسی کوّے کا گھونسلا تھا۔ کوّے کے دو ننّھے مُنّے بچّے گھونسلے سے نِکل کر زمین پر گِر گئے تھے اور ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے :

"ہمیں بُہت بھُوک لگی ہے۔ لیکن ہم تو اُڑ بھی نہیں سکتے۔ اپنے گھونسلے میں کیسے جائیں؟ "

جان کو اُن کی حالت دیکھ کر بڑا رحم آیا۔ وہ گھوڑے سے اُترا، کندھے پر پڑا ہوا تھیلا اُتارا، کوّے کے بچّوں کو اُس میں ڈالا اور پھر درخت پہ چڑھ کر بچّوں کو گھونسلے میں رکھ دیا۔ کوّا اور کوّی نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور بولے:

"اگر آپ کو کبھی ہماری مدد کی ضرورت پڑے تو ضرور بلایئے گا۔ ہم فوراً حاضر ہو جائیں گے۔"

جان گھوڑے پر چڑھا اور آگے چل دیا۔ جنگل اب ختم ہونے والا تھا اور گھوڑا ایک جھیل کی طرف جا رہا تھا۔ جھیل کا پانی بالکل ساکن تھا اور سونے کی طرح چمک رہا تھا۔ جان اِس خیال سے جھیل کے کنارے پر گھوڑے سے اُترا کہ اُس کو پانی پلائے۔ یہاں اُس نے دیکھا کہ دو مچھیرے آپس میں کسی بات پر لڑ رہے ہیں۔ جان نے پُوچھا تو پتا چلا کہ اُنہوں نے ایک سُنہری مچھلی جھیل میں سے پکڑی ہے۔ ایک مچھیرا کہنا ہے کہ مچھلی میں نے پکڑی ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ بے شک تُم نے پکڑی ہے، لیکن جال تو میرا ہے۔ اس لیے مچھلی میری ہے۔

مچھلی پانی کے باہر زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ جتنی دیر مچھیرے لڑتے رہے،

مچھلی تڑپتی رہی۔ وُہ مدد کے لیے پُکار رہی تھی۔ جان کو مچھلی پر رحم آ گیا۔ اُس نے مچھیروں سے کہا :

"دیکھو بھائی، میرے پاس جتنی رقم ہے وُہ تم لے لو اور یہ مچھلی مُجھے دے دو۔"

مچھیروں کو اور کیا چاہیے تھا۔ اِس طرح اُنہیں بازار نہ جانا پڑتا اور بیٹھے بٹھائے رقم ہاتھ آ جاتی۔ وُہ فوراً راضی ہو گئے اور پیسے لے کر مچھلی جان کے حوالے کر دی۔

جان نے مچھلی اُٹھائی اور اُسے جھیل میں پھینک دیا۔ مچھلی نے جان سے کہا۔ "اس مہربانی کے بدلے میں مَیں آپ کی مدد کروں گی۔ جب کبھی ضرُورت پڑے، مُجھے بُلا لینا۔" مچھیرے بڑے حیران تھے۔ ایک تو جان نے مچھلی کی اِتنی بڑی قیمت دی تھی جو اُس جیسی دس مچھلیوں کی قیمت کے برابر تھی، پھر قیمت ادا کرنے کے بعد اُس نے مچھلی کو واپس جھیل میں پھینک دیا تھا۔ اُنھوں نے جان سے پوچھا کہ وہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے اور کہاں جانے کا ارادہ ہے؟

جان نے اُنہیں تمام قصّہ سُنا دیا اور پھر بولا۔ "میں کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مُجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ شہزادی رہتی کہاں ہے۔"

مچھیرے بولے۔ ”وُہ اسی جزیرے کے بادشاہ کی لڑکی ہے جو اِس جھیل کے درمیان میں واقع ہے۔ وہ دیکھو بادشاہ کے محل کا مینار، جس کا عکس پانی میں نظر آ رہا ہے۔ شہزادی روزانہ صُبح سُورج نکلنے کے بعد اس مِینار پر چڑھ کر اپنے بالوں میں کنگھی کرتی ہے۔ آپ نے ہماری لڑائی ختم کر کے ہمارے ساتھ جو نیکی کی ہے اس کے بدلے میں ہم آپ کو کشتی میں سوار کر کے اس جزیرے پر چھوڑ آتے ہیں۔ لیکن سُنہری بالوں والی شہزادی کو پانے میں آپ کو بڑی احتیاط سے کام لینا ہو گا، کیوں کہ اس بادشاہ کی بارہ بیٹیاں ہیں اور سب کی شکلیں ایک دوسری سے بالکل ملتی جُلتی ہیں۔ لیکن ان میں سے صرف ایک کے بال سُنہری ہیں۔ “

جان نے ان کا شکریہ ادا کیا اور تھوڑی ہی دیر میں مچھروں نے اُسے جزیرے پر اُتار دیا۔ یہاں سے ایک ڈھلوان راستہ ایک اُونچے قلعے کی طرف جاتا تھا۔ جان قلعے کے باہر پہنچا تو چوکیدار اُسے اندر لے گیا۔ بادشاہ ایک خُوب صُورت کمرے میں بیٹھا تھا۔ شکل و صُورت سے بُوڑھا لیکن مہربان نظر آتا تھا۔ وہ ایک درباری کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا۔

جان نے جھک کر سلام کیا اور اپنے بادشاہ کے لیے شہزادی کا رشتہ مانگا۔ بادشاہ مُسکرایا اور بولا :

”تُم شہزادی کو لے جاسکتے ہو، لیکن پہلے تُمہیں کُچھ کام کر کے دکھانے ہوں گے، جو میں کل تُمہیں بتاؤں گا۔ ایک کام کل کرنا ہو گا۔ اگر اس میں کامیاب ہو گئے تم پھر اگلے دن دوسرا کام، اور اس سے اگلے دن تیسرا کام بتاؤں گا۔“

یہ کہہ کر اُس نے شہزادے کو آرام کرنے کے لیے ایک آرام دہ کمرے میں بھیج دیا اور ایک نوکر اُس کی خدمت کے لیے مُقرّر کر دیا۔ جان بُہت تھکا ہوا تھا۔ اُس نے خُوب پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور پھر میٹھی نیند سو گیا۔

اگلی صُبح سویرے سویرے ملازم نے اُسے جگا کر کہا کہ بادشاہ اُس کا انتظار کر رہا ہے تا کہ اُسے پہلے روز کا کام بتایا جا سکے۔ جان بادشاہ کے حضور پیش ہوا تو وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اُس نے کھڑکی میں سے ایک چراگاہ کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے کہا :

”ایک دن شہزادی اس چراگاہ میں سیر کرنے گئی تھی۔ وہاں اُس کے گلے کا ہار

ٹوٹ گیا، تمام موتی بکھر گئے اور گھاس میں کھو گئے۔ تُمہارا کام یہ ہے کہ ان سب موتیوں کو تلاش کر کے لے آؤ۔ اگر ایک بھی موتی رہ گیا تو تُم کامیاب نہ ہو سکو گے۔"

چراگاہ میں ہر طرف گھاس ہی گھاس تھی۔ جان نے ہر جگہ تلاش کیا۔ گھاس کی جڑوں میں جھانک جھانک کر دیکھا۔ لیکن اُسے ایک بھی موتی نظر نہ آیا۔ وہ حسرت سے بولا:

"کاش! اس وقت وہ چیونٹیاں میرے پاس ہوتیں جن کو میں نے جلنے سے بچایا تھا۔"

اچانک ایک باریک سی آواز آئی۔ "ہم حاضر ہیں دوست۔ بتاؤ کیا کام ہے؟" جان نے گھاس پر نظر ڈالی تو زمین پر دُور دُور تک چیونٹیاں ہی چیونٹیاں تھیں۔ اُس نے اُن سے اپنی مُشکل بیان کی تو وہ دیکھتے ہی دیکھتے گھاس میں غائب ہو گئیں اور پھر موتی لا لا کر جان کے قدموں میں ڈھیر کرنے لگیں۔

جلد ہی جان کے قدموں میں موتیوں کا ڈھیر لگ گیا۔ چیونٹیوں نے بتایا کہ اب

اور کوئی موتی نہیں ہے۔ جان نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور موتی اُٹھا کر قلعے کی جانب چلنے لگا۔ یکایک ایک باریک سی آواز آئی :

"ٹھہرو۔۔۔! ٹھہرو۔۔۔۔!"

یہ ایک ایسی چیونٹی کی آواز تھی جو لنگڑا کر چل رہی تھی۔ اُس کی ایک ٹانگ آگ میں جل گئی تھی، اس لیے وُہ تیز نہیں چل سکتی تھی۔ اُس نے ایک چھوٹا سا موتی اُٹھا رکھا تھا اور یہ شہزادی کے ہار کا آخری موتی تھا۔ جان نے وہ موتی لے لیا اور خوش خُوش بادشاہ کے پاس پہنچا۔ بادشاہ نے موتی گِنے تو وہ بالکل پورے نکلے۔

اگلے دِن صُبح ہی صُبح جان کو بادشاہ کے حضُور پیش کر دیا گیا۔ بادشاہ کھڑکی سے باہر اشارہ کرتے ہوئے بولا :

"کُچھ عرصے کی بات ہے، سنہری بالوں والی شہزادی اس جھیل میں نہانے گئی تھی اور وہاں اپنی سونے کی انگوٹھی کھو آئی۔ اب تُم یہ انگوٹھی ڈھونڈ کر لاؤ۔ "

جان جھیل کے کنارے پہنچا اور اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارے، لیکن اتنی بڑی اور

گہری جھیل میں انگوٹھی کا بھلا کیسے پتا چلتا۔ وہ مایوس ہو کر بولا:

"کاش! اِس وقت سُنہری مچھلی یہاں ہوتی۔ اس نے کہا تھا کہ مُجھے اُس کی مدد کی ضرورت پڑی تو وہ ضرور آئے گی۔"

اس کا یہ کہنا تھا کہ پانی میں حرکت ہوئی اور سُنہری مچھلی تیرتی ہوئی جان کے قریب آئی۔ اُس نے کہا۔ "میں حاضر ہوں۔ حکم کیجیے۔"

جان بولا۔ "شہزادی کی سونے کی انگوٹی اس جھیل میں گر گئی ہے اور بادشاہ نے مُجھے حکم دیا ہے کہ وہ انگوٹھی حاصل کروں، لیکن تُمہاری مدد کے بغیر میں اُسے تلاش نہیں کر سکتا۔"

سُنہری مچھلی بولی۔ "میں نے ابھی دو چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کو اُس انگوٹھی کے لیے لڑتے دیکھا ہے۔ ابھی لے کہ آتی ہوں۔"

یہ کہہ کر اُس نے غوطہ لگایا اور پانی میں غائب ہو گئی۔ جان سوچنے لگا، شاید یہ سب خواب ہے۔ لیکن ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ سُنہری مچھلی واپس آ گئی۔ اُس کے

مُنہ میں انگوٹھی دیکھ کر جان خُوش ہو گیا۔ اُس نے ہاتھ آگے کیا تو مچھلی نے اپنا مُنہ کھول دیا اور انگوٹھی اُس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ جان اپنے دوسرے کام کی کامیابی پر اِتنا خوش تھا کہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا سیدھا بادشاہ کے پاس گیا اور انگوٹھی اُس کے سامنے رکھ دی۔

تیسرے دِن جان بادشاہ کے پاس گیا تو اُس نے کہا۔ "آج تُم شہزادی کے لیے زندہ اور مُردہ پانی لاؤ گے۔"

جان چکرا گیا۔ اُس نے کبھی سُنا بھی نہ تھا کہ زندہ اور مردہ پانی بھی ہوتے ہیں۔ اُن کو کہاں تلاش کیا جائے؟ کِس سے پُوچھا جائے؟ یہی سوچتا ہوا وُہ جنگل کی طرف چل دیا کہ شاید کہیں زندہ اور مردہ پانیوں کے چشمے بہتے ہوں گے۔ وہ چلتا چلتا جنگل میں ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں کوؤں کا گھونسلا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر اِس وقت میرے پاس کوّے ہوتے تو وہ شاید ان عجیب و غریب پانیوں کے متعلق کُچھ بتا سکتے۔

اسی لمحے، جان کے عین سر کے اُوپر سے، آواز آئی:

"کیا پُوچھنا چاہتے ہیں آپ؟ بس حکم کی دیر کیجیے۔" یہ وہی کوّا اور کوّی تھے جن کے بچّوں کو جان نے زمین سے اُٹھا کر گھونسلے میں رکھا تھا۔

جان بولا۔ "شہزادی کے باپ نے مُجھے زندہ اور مُردہ پانی لانے کو کہا ہے۔ لیکن مُجھے پتا ہی نہیں کہ یہ کس قسم کے پانی ہوتے ہیں اور کہاں پائے جاتے ہیں۔ "

کوّا بولا۔ "ہمیں پتا ہے۔ آپ ذرا یہیں ٹھہریں۔ ہم تھوڑی ہی دیر میں لے کر آتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ درختوں میں غائب ہو گئے۔

جان نے کچھ دیر اِنتظار کیا۔ پھر اُسے پروں کی آواز سُنائی دی۔ کوّا اور کوّی آ گئے تھے۔ اُن کی چونچوں میں دو بڑے گھونگے تھے۔

کوّے نے ایک گھونگا جان کے ہاتھ پر رکھا اور کہا "یہ ہے زندہ پانی۔ "

کوّی نے دوسرا گھونگا جان کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔ "اور یہ ہے مُردہ پانی۔"

یہ کہہ کر وہ دونوں جس طرف سے آئے تھے، اُسی طرف کو اُڑ گئے۔

جان قلعے کی طرف چل دیا، لیکن کُچھ زیادہ دور نہ گیا تھا کہ اُسے ایک مکھّی کی چیخ

سُنائی دی۔ مکھّی مکڑی کے جال میں پھنسی ہوئی تھی اور مدد کے لیے پُکار رہی تھی۔
اب بڑی سی مکڑی اُس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

جان نے مُردہ پانی کا ایک قطرہ مکڑی پر ڈالا تو مکڑی مر گئی۔ اس نے زندہ پانی کا ایک قطرہ مکھّی پر گرایا۔ مکھّی نے پر پھیلائے اور ہوا میں اُڑتے ہوئے بولی۔ ”تم نے بہت اچھّا کیا جان، کہ میری جان بچالی۔ اگر میں مر جاتی تو تُمھیں کوئی بھی نہ بتا سکتا کہ بادشاہ کی بارہ لڑکیوں میں سُنہری بالوں والی لڑکی کون سی ہے۔“

جب بادشاہ نے دیکھا کہ جان نے تینوں کام کامیابی سے کر لیے ہیں تو اس نے کہا: ”تم نے میری شرطیں پوری کر دی ہیں۔ اب تم سُنہری بالوں والی شہزادی کو لے جاسکتے ہو، لیکن تُمھیں بارہ شہزادیوں میں سے سُنہری بالوں والی شہزادی کو پہچاننا ہو گا۔ اگر تُم اُسے نہ پہچان سکے تو پھر وہ تُمھیں نہیں مل سکے گی۔“

یہ کہہ کر بادشاہ جان کو ایک بڑے سے کمرے میں لے گیا، جہاں ایک گول میز پڑی تھی اور اُس کے اِرد گرد بارہ خُوب صُورت لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ اُن سب کے سر پر رومال بندھے ہوئے تھے اور وہ بالکل ایک جیسی نظر آ رہی تھیں۔

بادشاہ بولا۔ ”یہ ہیں میری بارہ شہزادیاں۔ اِن میں سے صرف ایک کے بال سُنہری ہیں۔ اگر تُم نے اِسے پہچان لیا تو وہ تُمہاری ہوئی۔“

جان حیران ہو کر لڑکیوں کو دیکھنے لگا۔ وہ چُپ چاپ سر جھُکائے بیٹھی تھیں۔ جان پریشان تھا کہ کِس لڑکی کو چنے !

تب اُسے اپنے کان کے نزدیک مکھّی کے بھنبھنانے کی آواز آئی۔ یہ وہی مکھّی تھی جسے اُس نے مکڑی سے بچایا تھا۔ اُس نے جان کے کان میں کہا۔ ”اُٹھو اور میز کے گرد ایک چکّر لگاؤ۔“

جان باری باری ہر لڑکی کے پاس گیا۔ مکھّی ہر بار جان کے کان میں کہتی ”یہ نہیں۔۔۔ یہ بھی نہیں۔“ آخر اُس نے کہا۔ ”ہاں۔۔۔ یہ ہے۔ یہی ہے، سُنہری بالوں والی شہزادی۔“

جان نے اُس لڑکی کی طرف اِشارہ کر کے کہا۔ ”بادشاہ سلامت، یہ ہے سُنہری بالوں والی شہزادی۔“

بادشاہ بولا۔ ”شاباش! تُم نے واقعی سُنہری شہزادی کو چُنا ہے۔ اب یہ تُمہاری ہوئی۔“

بادشاہ نے اپنی لڑکی کو حکم دیا کہ وہ اُٹھ کر کھڑی ہو اور اپنے سر سے رومال اُتارے۔ شہزادی نے رومال اُتارا تو اُس کے سُنہری بال جھلمل جھلمل کرنے لگے۔ جان کی آنکھیں چُندھیا گئیں۔

اگلے دن جان بُہت سے ملازموں اور سامان کے ساتھ شہزادی کو لے کر روانہ ہوا۔ جب یہ جُلوس جان کے دیس میں داخل ہوا تو بادشاہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ رنگ برنگ کے کپڑوں، گھوڑوں اور سامان کو دیکھ کر پہلے تو وہ حیران ہوا، لیکن جب اُس کی نظر جان پر پڑی تو اُس کی خُوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ لیکن اُس کے ساتھ ہی اُسے یہ خیال بھی آیا کہ اگر جان نے شہزادی سے خود شادی کرنی چاہی تو پھر اُس کو کِس طرح روکا جائے گا؟

جان شہزادی کا ہاتھ تھامے ہوئے بادشاہ کے کمرے میں داخل ہوا۔ اُسے پُورا یقین تھا کہ اِتنے بڑے کارنامے پر بادشاہ تعریف کے دو چار کلمے ضرُور کہے گا۔

لیکن تعریف تو ایک طرف رہی، اُس نے تو جان کے سلام کا جواب تک نہ دیا۔ ماتھے پر بَل ڈالتے ہوئے بولا :

"کل میں شہزادی سے شادی کروں گا، اور تُم چُوں کہ اپنی مُہم میں کامیاب واپس آئے ہو، اِس لیے تُمہاری لاش نہایت عزّت سے شاہی قبرستان میں دفن کی جائے گی۔" بادشاہ کے اِشارے پر سپاہیوں نے جان کو گرفتار کر لیا اور اُسے گھسیٹ کر جیل خانے میں لے گئے۔ شہزادی نے بہت منّت سماجت کی کہ جان کو چھوڑ دیا جائے لیکن بادشاہ نے اُس کی ایک نہ سُنی۔

اگلے دن، جب کہ شادی کی تیّاریاں زور شور سے جاری تھیں، جان کو بادشاہ کے حضور پیش کیا گیا اور سب کے سامنے اُس کا سر قلم کر دیا گیا۔

تب شہزادی نے بادشاہ سے درخواست کی کہ جان کی لاش اُسے دے دی جائے تا کہ وہ اسے اپنی مرضی سے دفن کر سکے۔ بادشاہ نے شہزادی کو خوش کرنے کے لیے اُس کی بات مان لی۔

شہزادی کے باپ نے شادی کے سامان میں زندہ اور مُردہ پانیوں کے گھونگے بھی

رکھ دیے تھے۔ شہزادی نے زندہ پانی جان کی لاش پر چھڑکا تو دیکھتے ہی دیکھتے جان کا سر دھڑ کے ساتھ جُڑ گیا۔ پھر وُہ انگڑائی لے کر اُٹھ بیٹھا۔ اب وہ پہلے سے زیادہ جوان اور خُوب صُورت نظر آ رہا تھا۔

بادشاہ بہت حیران ہوا۔ اُس نے سوچا کہ اگر یہ پانی وُہ کبھی اپنے اوپر ڈال لے تو وہ بھی جان کی طرح خُوب صُورت اور جوان ہو جائے گا۔ اُس نے شہزادی کو حُکم دیا کہ اُس کے جِسم پر بھی یہی پانی چھِڑکا جائے۔

بادشاہ کو اِس بات کا عِلم نہ تھا کہ زندہ پانی والا گھونگا خالی ہو چکا ہے۔ شہزادی نے مُردہ پانی والا گھونگا اُٹھایا اور بادشاہ پر چھِڑک دیا۔ بادشاہ فوراً ہی مر گیا۔

جب لوگوں کو بادشاہ کی موت کا علم ہوا تو اُنھوں نے جان کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ اُس نے بڑی دھوم دھام سے شہزادی سے شادی کی اور اِس شادی میں اُس کے جانور دوست بھی شریک ہوئے۔

بارہ مہینے

ایک پہاڑی چشمہ، آبشار کی صُورت میں نیچے گرتا تھا اور کُچھ دُور جا کر دریا میں مل جاتا تھا۔ جس جگہ چشمہ اور دریا آپس میں ملتے تھے، وہاں سے تھوڑی دُور ایک باغ تھا۔ باغ میں ایک چھوٹا سا مکان تھا، جس میں ایک بیوہ اپنی دو لڑکیوں کے ساتھ رہتی تھی۔

چھوٹی لڑکی کا نام مَیری تھا اور وہ بیوہ کی سگی بیٹی تھی۔ بڑی لڑکی ہیلن اُس کی سوتیلی بیٹی تھی۔ یہ بیوہ بہت ہی بُری عورت تھی۔ وہ اپنی سوتیلی بیٹی ہیلن سے بُہت بُرا سلوک کرتی تھی، کیوں کہ ہیلن اُس کی اپنی بیٹی مَیری سے بہت ہی زیادہ خُوب صُورت تھی۔

ہیلن بڑی پیاری بچّی تھی۔ سب سے بُہت اچھّے سے پیش آتی۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اُس کی سوتیلی ماں اُسے کیوں تنگ کرتی ہے، اور سب سے زیادہ مُشکل کام اُسے ہی کیوں کرنے کے لیے دیتی ہے سچی بات تو یہ ہے کہ گھر کا سارا کام ہیلن ہی کو کرنا پڑتا تھا۔ کمروں کی صفائی، کھانا پکانا، کپڑے اور برتن دھونا، سُوت کاتنا، گائے کا چارہ تیّار کرنا، یہ سب کام ہیلن کو کرنے پڑتے تھے۔ مَیری تمام دِن ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی رہتی تھی یا پھر شیشے کے سامنے بیٹھی بال سنوارتی رہتی۔

ہیلن کی خوش اخلاقی اور ہنس مکھ طبیعت مَیری اور اُس کی ماں کو ایک آنکھ نہ بھاتی، اس لیے اب وہ اکثر خاموش ہی رہنے لگی تھی۔ لیکن جوں جوں وہ بڑی ہوتی گئی اور بھی زیادہ خُوب صُورت ہوتی گئی۔

ایک دن بیوہ نے اپنے آپ سے کہا "جب تک ہیلن گھر میں موجود ہے میری بیٹی کی طرف تو کوئی دیکھے گا بھی نہیں۔ سب ہیلن ہی کو دیکھنے آتے ہیں۔"

ایک دن مَیری اور اس کی ماں نے مشورہ کیا کہ ہیلن کو اتنا تنگ کیا جائے کہ وہ گھر

سے بھاگ جائے۔ اُنہوں نے ہیلن کو پہلے سے زیادہ کام دینا شروع کر دیا۔ ہر وقت اُسے طعنے دیتیں اور بات بات پر مارتیں۔ اُنہوں نے اُسے تنگ کرنے کا ہر طریقہ اختیار کیا لیکن اُس نے زبان سے اُف تک نہ کی۔ جنوری کے مہینے کا سب سے ٹھنڈا دِن تھا۔ اچانک مَیری کو ایک شرارت سوجھی۔ وُہ تینوں چُولھے کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ مَیری بولی :

"امّی، میرا دِل چاہتا ہے کہ انگور کھاؤں۔ ہیلن سے کہیں کہ پہاڑ پر جائے اور میرے لیے چند انگور لے آئے۔"

ہیلن بولی۔ "بہن، اِتنی سردی میں پہاڑ پر جانا، موت کو دعوت دینا ہے۔"

بیوہ بولی۔ "زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ چُپ چاپ جاؤ اور جیسا کہ تُمہاری بہن نے کہا ہے، اُسے انگور لا کر دو۔ خبردار، بغیر انگوروں کے گھر واپس آئیں تو تُمہارا گلا گھونٹ کر مار دوں گی۔"

ہیلن ماں کے اس سلُوک پر تڑپ گئی، لیکن بے چاری کر بھی کیا سکتی تھی۔ اُس نے چادر اُٹھائی اور باہر نِکل گئی۔ مَیری نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور دونوں

ماں بیٹی خُوب خُوش ہوئیں۔

ہیلن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ سوچنے لگی کہ اُس کی ماں اور بہن اُس پر اِتنا ظُلم کیوں کرتی ہیں! سردی اتنی تھی کہ سیدھا کھڑا بھی نہ ہوا جاتا تھا۔ اِرد گرد ہر طرف برف ہی برف تھی، اور تمام راستے برف سے ڈھک چُکے تھے۔ وہ برف پر یُوں ہی چلتی رہی۔ سردی بڑھتی گئی۔ کافی دیر چلنے کے بعد جب درخت نظر آنے لگے تو وہ سمجھ گئی کہ وہ تو پہاڑ پر چڑھ رہی ہے۔

گرتی ہوئی برف میں سے اُسے دُور ایک مدّھم سی روشنی نظر آئی۔ وُہ اُسی طرف کو چل دی۔ وہ چلتی گئی۔ راستہ اور اُونچا ہوتا گیا۔ لیکن روشنی اتنی ہی دُور رہی۔ اُس کے گھُٹنے درد کرنے لگے۔ تھکاوٹ سے بُرا حال ہو گیا۔ سانس اُکھڑنے والا ہو گیا۔ لیکن وہ گرتی پڑتی چلتی ہی گئی، کیوں کہ اُسے یقین تھا کہ جہاں روشنی ہے وہاں لوگ بھی ہوں گے۔ شاید کوئی اُس کی مدد کر سکے۔

آخر کار وُہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ ہی گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک بڑے درخت کے نیچے آگ روشن ہے۔ یہی وہ آگ تھی جو اُسے دُور سے نظر آ رہی تھی۔ آگ کے اِرد گرد دائرے کی شکل میں بارہ پتھّر پڑے تھے اور ہر پتھّر پر ایک آدمی بیٹھا تھا۔ اِن میں سے ایک پتھّر باقی سب پتھّروں سے کُچھ اُونچا تھا اور جو آدمی اُس پر بیٹھا تھا، وہ عُمر میں سب سے بڑا دکھائی دیتا تھا۔ ہیلن اُن لوگوں کو دیکھ کر بڑی خُوش ہوئی، کیوں کہ "" وہ جب سے گھر سے نِکلی تھی، اُس نے کوئی جان دار نہ دیکھا تھا۔

وہ اُن کے پاس پُہنچ گئی لیکن اُن میں سے کسی نے بھی آنکھ اُٹھا کر دیکھا اور گُم صُم سے آگ کی طرف دیکھتے رہے۔ آگ کی روشنی اور گرمی سے اُن کے چہرے سُرخ ہو رہے تھے۔ اُن کا دِل چاہا کہ وہ بھی ذرا آگ کے نزدیک ہو کر ہاتھ تاپے۔

جب کِسی نے بھی اُس کی طرف دھیان نہ دیا تو وُہ حوصلہ کر کے آگے بڑھی اور اُن میں سے جو سب سے بڑا تھا اور بڑے پتھّر پر بیٹھا تھا، اُس سے بولی:

"بڑے میاں، میں سردی سے کانپ رہی ہوں۔ آگ کے نزدیک بیٹھ جاؤں؟ "

یہ بارہ کے بارہ آدمی جو وہاں پتھّروں پر بیٹھے تھے۔ دراصل بارہ مہینے تھے اور جو اس وقت بڑے پتھّر پر بیٹھا تھا، اس کا نام جنوری تھا۔ ہیلن کی بات سُن کر اُس نے اپنا سر اُٹھایا اور کہا :

"تُم اس سرد موسم میں پہاڑ پر کیوں آئی ہو؟ "

ہیلن بولی۔ "میں انگُور لینے آئی ہوں۔"

"کیا کہا؟" جنوری بولا۔ "انگُور اور اِس موسم میں! تُمھیں پتا نہیں کہ یہ انگوروں کا موسم نہیں؟"

ہیلن بولی۔ "جی ہاں، میں جانتی ہوں۔ لیکن میری سوتیلی ماں اور بہن نے مُجھے یہ کہہ کر گھر سے نکال دیا ہے کہ اُن کے لیے انگور لے کر آؤں۔ اگر میں خالی ہاتھ گئی تو وُہ مُجھے جان سے مار دیں گی۔ خُدا کے لیے مُجھے بتایئے کہ انگور کہاں سے ملیں گے؟"

اِس پر جنوری بولا۔ ”بھائی جولائی، اُٹھو اور چل کر بڑی کُرسی پر بیٹھو۔“

اس پر جولائی اُٹھا اور پتھّر کی بڑی کُرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر اُس نے آگ کی طرف اُنگلی اُٹھائی۔ دیکھتے ہی دیکھتے آگ بُجھ گئی۔ لیکن فوراً ہی زمین سے ایک شُعلہ نکلا اور اتنا بُلند ہوا کہ آسمان تک پہنچ گیا۔ تب ہیلن نے دیکھا کہ ہر طرف برف پگھلنے لگی ہے اور نیچے سے گھاس نِکل آئی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بادل گھِر آئے اور بارش ہونے لگی۔ پھر بارش رُک گئی۔ درخت دُھل کر صاف ہو گئے تھے۔ ندی نالوں میں پانی بھر گیا تھا۔

اب جولائی نے ہیلن سے کہا۔ ”وہ دیکھو، اُس طرف انگُوروں کی بیلیں ہیں۔“

ہیلن نے دیکھا کہ نیچے پہاڑ کے دامن میں بے شمار انگُوروں کی بیلیں پھیلی ہوئی ہیں۔

جولائی بولا۔ ”اب جلدی کرو، میں زیادہ دیر اِس گرمی پر نہیں بیٹھ سکتا۔ جاؤ اور جتنے انگور توڑ سکتی ہو توڑ لو۔“

ہیلن بھاگی بھاگی نیچے اُتری اور اِتنے انگُور توڑے کہ اُس کی چادر بھر گئی۔ اُس کا خیال تھا کہ ماں اور بہن اب خُوش ہو جائیں گی۔ جب وہ واپس گھر جا رہی تھی تو آہستہ آہستہ سردی بڑھنے لگی اور پھر برف گِرنے لگی۔ ندی نالے خُشک ہو گئے۔ درخت ٹُنڈ مُنڈ ہو گئے۔ وُہ سمجھ گئی کہ جنوری کے مہینے نے پھر اپنی جگہ سنبھال لی ہے۔

شام کا وقت تھا۔ مَیری اور اُس کی ماں کھڑکی میں سے سُورج کو چڑھتا ہوا دیکھ رہی تھیں کہ اچانک اُن کی نظر ہیلن پر پڑی جو ایک بڑی سی گٹھڑی اُٹھائے گھر کی طرف آ رہی تھی۔ وہ تو سمجھی تھیں کہ بس اب ہیلن کا قصّہ ختم ہو گیا۔ اُس کو آتا دیکھ کر بہُت حیران ہوئیں۔ دروازہ کھولا تو انگوروں کی میٹھی خُوش بُو سونگھ کر اور بھی حیران ہوئیں۔ ہیلن نے گٹھڑی زمین پر رکھی تو دو ایک انگور گٹھڑی سے نکل کر باہر گِر پڑے۔ ماں نے پوچھا۔ ”یہ تم کہاں سے لائی ہو؟“

ہیلن بولی ”پہاڑ کے دامن سے۔ وہاں بے شمار انگور کی بیلیں ہیں اور سب کی سب انگوروں سے لدی ہوئی ہیں۔“

مَیری نے چند انگور اپنی ماں کو دیے اور باقی اُٹھا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ہیلن کو اُس نے ایک انگور نہ دیا۔ لیکن ہیلن کو انگُوروں سے زیادہ اس بات کی فکر تھی کہ اُسے گھر سے نہ نکال دیا جائے۔ وہ انگور کھائے بغیر ہی خُوش تھی۔

اس بات کو چند ہی روز گزرے تھے کہ مَیری نے اپنی ماں سے کہا۔ "امّی، لال لال، میٹھا میٹھا تربُوز کھانے کو دِل چاہتا ہے۔"

اُس کی ماں کو پتا تھا کہ اِس سردی کے مہینے میں تربُوز نہیں پایا جاتا۔ وہ تو جُون میں ہوتا ہے۔ لیکن اُن کا مطلب تو ہیلن کو گھر سے نکالنا تھا۔

دونوں ماں بیٹی نے ہیلن کو مجبور کیا کہ جہاں چاہے جائے، لیکن ایک تربُوز لے کر آئے۔ ہیلن بے چاری نے رو رو کر ماں بہن کی منّت سماجت کی کہ خُدا کے لے اتنی سردی میں مُجھے باہر نہ نکالو۔ یہ موسم تربُوز کا نہیں ہے، لیکن ماں بیٹی نے اُن کو دھکّے دے کر گھر سے نِکال دیا اور کہا۔ "اگر تُم سردیوں میں انگُور لا سکتی ہو تو تربوز بھی ضرور لا سکتی ہو۔"

مرتی کیا نہ کرتی، ہیلن گھر سے نِکل گئی۔ لیکن اس بار اُسے یہ اُمّید نہ تھی کہ بارہ

مہینے پھر اُسے مل جائیں گے اور اُس پر مہربانی کر کے اُسے تربوز دے دیں گے۔

وہ جُوں جُوں پہاڑ پر چڑھتی گئی، اُسے درخت، پتّے، جھاڑیاں اور گھاس سب کچھ برف میں دبا ہوا نظر آیا۔ وہ سوچنے لگی کہ یہاں تربُوز کا کیا کام! لیکن وہ چلتی گئی۔ اکثر جگہ برف کافی سخت تھی اور وہ اُس پر سے گُزر جاتی تھی۔ لیکن کہیں کہیں نرم برف آجاتی تو وہ کمر تک اُس میں پھنس جاتی۔ پھر بڑی مُشکل سے باہر نکلتی۔ بڑی جدّوجہد کے بعد بھی اُسے وہ روشنی نظر نہ آئی جسے دیکھ کر وُہ پہلی بار بارہ مہینوں کے پاس پُہنچی تھی۔

جب چوٹی پر پُہنچ گئی تو اُسے وہ آگ دکھائی دی۔ بارہ مہینے اُسی طرح اپنے اپنے پتھّر پر بیٹھے تھے، اور سب سے اُونچے پتھّر پر اب بھی جنوری ہی بیٹھا تھا کیوں کہ مہینا جنوری ہی کا تھا۔ اس بار ہیلن بالکل نہیں جھجکی۔ وہ آگے بڑھ کر بولی۔ ”میں سردی سے کانپ رہی ہوں۔ مہربانی کر کے مُجھے آگ سینکنے دیں۔“

بُوڑھے جنوری نے اُس کی طرف غور سے دیکھ کر پُوچھا۔ ”تم یہاں کیا کرنے آئی ہو؟ “

”میں ایک تربُوز لینے آئی ہُوں۔“

”لیکن یہ تو سردی کا مہینا ہے۔ تُمھیں پتا نہیں کہ تربُوز سردیوں میں نہیں ہوتا؟“

ہیلن بولی۔ ”جی، مُجھے تو خوب پتا ہے، لیکن میری سوتیلی ماں اور بہن کا کہنا ہے کہ اگر میں اُن کے لیے تربُوز لے کر نہ گئی تو وُہ مُجھے جان سے مار ڈالیں گی۔ خُدا کے لیے آپ میری کچھ مدد کریں۔“

یہ سُن کر بُوڑھا جنوری اپنی جگہ سے اُٹھا اور ایک اور مہینے سے بولا۔ ”بھائی جُون، تُم یہاں آکر بیٹھ جاؤ۔“

جُون اُٹھا اور بڑے پتھّر پر آکر بیٹھ گیا۔ پھر اُس نے آگ کی طرف ہاتھ اُٹھایا تو شُعلے اِتنے اُونچے اُٹھے کہ آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ گرمی اِتنی زیادہ ہو گئی کہ ہیلن نے اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھُپا لیا۔

جب کُچھ دیر بعد اُس نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے تو کیا دیکھتی ہے کہ برف پگھل گئی ہے، سبزہ اُگا ہوا ہے اور سُورج چمک رہا ہے۔

جُون بولا۔ ”بھاگو، بھاگو! پہاڑ سے اُترو۔ ندی کنارے جاؤ۔ وہاں بے شمار تربُوز ہوں گے۔ جو پسند آئے توڑ کر لے جاؤ۔ لیکن جلدی کرو، میں زیادہ دیر اِس جگہ نہیں بیٹھ سکتا۔“

ہیلن نے مہینوں کو جھک کر سلام کیا اور پہاڑ سے نیچے اُتر کر ندی کنارے آئی۔ ندی، جو کُچھ دن پہلے برف کی سِل بنی ہوئی تھی، اب پانی سے بھری ہوئی تھی۔ وہ کنارے کنارے بھاگنے لگی۔ تھوڑی ہی دور پر اُسے تربُوز کی بیلیں نظر آ گئیں، جن میں بڑے بڑے سبز تربوز لگے ہوئے تھے۔ یہ اِتنے بڑے اور بھاری تھے کہ ہیلن ان میں سے صرف ایک ہی اُٹھا سکتی تھی۔ اُس نے اِدھر اُدھر گھُوم پھِر کر ایک اچھّا سا تربُوز توڑ لیا۔ پھر اُسے کندھے پر رکھا اور گھر کی طرف چل دی۔

اب پھر وہی سردی کا موسم تیزی سے واپس آ رہا تھا، اور اُس کے گھر پہنچتے پہنچتے ہر طرف برف جم چُکی تھی۔ ہیلن کا خیال تھا کہ اُس کی ماں اور بہن اب اس سے خوش ہو جائیں گی۔ اُس نے مُسکراتے ہوئے دروازہ کھولا اور گھر میں داخل ہو گئی۔

ہیلن کی ماں اور بہن نے اُس کو بڑا ساتربُوز اُٹھائے مُسکراتے ہوئے گھر میں داخل ہوتے دیکھا تو اُن کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹ گئیں۔

وہ بولیں ”ارے! تُم یہ تربُوز اِس موسم میں کہاں سے لے آئیں؟“

ہیلن بولی۔ ”ندی کے کنارے تربُوزوں کی بے شُمار بیلیں ہیں۔“

اُنہیں ہیلن کی بات کا یقین تو نہ آرہا تھا لیکن اتنا بڑا تربُوز جو سامنے پڑا تھا۔

اب مَیری اور اُس کی ماں سوچنے لگیں کہ اس مُصیبت سے کیسے کیا پیچھا چھڑُائیں۔ اُنہوں نے سوچا کہ ایک بار پھر اِسے گھر سے نِکالتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اِس بار برف میں دب کر مر جائے۔ یہ سوچ کر ایک دن مَیری نے اپنی ماں سے کہا:

”امّی، اس سے کہو کہ پہاڑ پر جائے اور میرے لیے انار لے کر آئے۔“

اُس کی امّی نے پھر ہیلن کو گھر سے نکال باہر کیا۔ اِس بار ہیلن بڑی ہی مایوس تھی۔ اُسے یقین نہ تھا کہ بارہ مہینے تیسری بار بھی وہیں ہوں گے، اور اگر ہوں گئے بھی تو

یہ کیا ضروری ہے کہ وہ بار بار اُس کی مدد کرتے رہیں۔

وہ روتی پیٹتی گھر سے نِکل کھڑی ہوئی۔ ایک بار پھر اُس نے وہی راستہ اختیار کیا جو اُسے پہاڑی کے اُوپر لے جاتا تھا۔ اِتّفاق سے بارہ مہینے ابھی اسی طرح بیٹھے تھے۔ جنوری نے پھر وہی سوال کیا کہ وہ کیوں آئی ہے۔ ہیلن نے پھر وہی جواب دیا کہ اگر وہ انار نہ لے کر گئی تو اُس کی ماں اور بہن اُسے جان سے مار دیں گی۔

یہ سُن کر جنوری اُٹھا اور اکتوبر کے پاس جاکر بولا :

”بھائی اکتوبر، ذرا میری جگہ آکر بیٹھ جاؤ۔“

اکتوبر اُٹھ کر بڑے پتھّر پر آبیٹھا اور اُس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ برف پگھلنا شروع ہوگئی۔ درختوں میں پتّے نکلنے لگے۔ ہیلن نے ہر طرف دیکھا، اُسے کوئی انار نظر نہ آیا۔ لیکن جب اکتوبر نے اُنگلی سے اِشارہ کیا تو اُسے پہاڑ پر انار کا ایک درخت دکھائی دیا جس پر چند انار لگے تھے۔

ہیلن نے درخت کو ہلایا تو ایک انار نیچے گِر پڑا۔ اُس نے ایک بار پھر درخت کو

جھٹکا دیا تو ایک انار اور نیچے گِرا۔ اکتوبر بولا:

"بس بس۔ یہ کافی ہیں۔ ایک اپنی ماں کو دے دینا، ایک بہن کو۔"

"ہیلن نے مہینوں کا شکریہ ادا کیا اور تیز تیز قدم اُٹھاتی واپس آئی۔ جُوں ہی وُہ گھر میں داخل ہوئی، میری اور اُس کی ماں اُسے دیکھ کہ بڑی حیران ہوئیں کہ یہ اِس موسم میں بھی انار لے آئی! خُوش ہونے کی بجائے مَیری ناراض ہو کر بولی:

"لیکن تُم دو انار کیوں لائی ہو؟ باقی کیا راستے میں کھا آئیں؟"

ہیلن بولی "نہیں، میں نے تو ایک دانہ بھی نہیں چکھّا۔ پہلے ایک انار گِرا تھا۔ زیادہ زور سے درخت ہلایا تو اُس کے بعد ایک اور گِرا۔ پھر اُنھوں نے مجُھے درخت ہلانے ہی نہ دیا۔"

"جھُوٹ بکتی ہو۔" مَیری کی ماں گرج کر بولی۔ ہیلن بے چاری روتی ہوئی ایک کونے میں جا بیٹھی اور اپنی قسمت پر افسوس کرنے لگی۔

اگلے دن مَیری نے ماں سے کہا۔ "امّی، یہ انار اتنے لذیذ تھے کہ اور کھانے کو جی

چاہتا ہے۔ میں جا کر بُہت اسے انار لاؤں گی اور اِس بے وقوف ہیلن کی طرح میں کِسی کے روکے سے نہیں رُکوں گی۔ بھلا کِسی سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔ میں سارے کے سارے انار لوڑ لاؤں گی۔"

اُس کی ماں نے اُسے روکنا چاہا کہ اِتنی سخت سردی میں باہر نہ جائے، لیکن جب وہ نہ مانی تو ماں نے اُسے گرم کوٹ، دستانے اور جُرابیں پہنائیں اور سر پر مفلر لپیٹ دیا۔

مَیری نے ایک بڑی سی ٹوکری اُٹھائی اور باہر نِکل گئی۔ ماں کھڑکی میں سے اُسے دُور تک دیکھتی رہی اور جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو پھِر کھڑکی بند کر دی۔

برف نے تمام راستے مٹا دیے تھے۔ ہیلن کے پاؤں کے نشان بھی مٹ چکے تھے، اس لیے مَیری کو بالکل پتا نہ چلا کدھر جائے۔ وہ کافی دیر اِدھر اُدھر گھُومتی رہی۔ پھر اُسے پہاڑ پر روشنی نظر آئی اور وُہ اُسی طرف چل دی۔

آخر گرتی پڑتی وہ بھی چُوٹی پر جا پُہنچی اور وہاں آگ کے گِرد بارہ پتھّروں پر بارہ آدمیوں کو بٹھا دیکھ کر بڑی حیران ہوئی۔ لیکن وہ بُہت گُستاخ اور بدتمیز تھی۔ بغیر

کِسی کو سلام کیے یا اِجازت لیے آگ کے پاس کھڑی ہو کر ہاتھ سینکنے لگی۔

جنوری گرج کر بولا ”کون ہو تم، اور یہاں کیا کر رہی ہو؟“

مَیری کڑک کر بولی۔ ”تم کون ہو بُڈھے؟ تُم اپنے کام سے کام رکھو۔“ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چل دی اور انار کا درخت تلاش کرنے لگی۔

یہ دیکھ کر جنوری نے اپنا ہاتھ ہوا میں گھمایا۔ آسمان پر دھند چھا گئی اور پھر برف گرنے لگی۔ اُس کے ساتھ ہی نہایت سرد اور تیز ہوا بھی چلنے لگی۔

مَیری سردی کے مارے کانپنے لگی اور ہیلن کو بُرا بھلا کہنے لگی کہ اُس نے انار کے درخت کی صحیح جگہ کیوں نہیں بتائی۔ لیکن اُس نے پکّا اِرادہ کر لیا کہ وہ انار کا درخت ڈھونڈ کر ہی دم لے گی۔

جب بہت دیر ہو گئی اور مَیری واپس نہ آئی تو اُس کی ماں کو بڑی فکر ہوئی اور وہ کھڑکی کھول کر اُس طرف دیکھنے لگی جِدھر مَیری گئی تھی۔

آخر جب اُس سے نہ رہا گیا تو اُس نے کھڑکی بند کی، گرم کوٹ پہنا، دستانے پہنے

اور اُن سب کے اُوپر ایک موٹی شال اُوڑھ کر مَیری کو ڈھونڈنے باہر نِکل گئی۔

برف کی وجہ سے مَیری کے پاؤں کے نشان مِٹ چُکے تھے اور اُس کی ماں کو کُچھ پتا نہ چلتا تھا کہ کِدھر جائے اور کیا کرے! اُس نے زور زور سے آوازیں دیں، لیکن کوئی جواب نہ آیا۔ اگر کوئی آواز آرہی تھی تو صِرف سائیں سائیں کرتی ہوئی تیز ہوا کی۔

اُدھر ہیلن نے گھر کا تمام کام کیا، مُرغیوں کو ڈربے میں بند کیا، گائے کا دودھ دوہا اور پھر سب کے لیے کھانا تیّار کیا۔ اب وہ بیٹھی ماں اور بہن کا اِنتظار کر رہی تھی۔

کوئی اور ہوتا تو اپنے اوپر ظُلم کرنے والوں کو مُصیبت میں مُبتلا دیکھ کر خُوش ہوتا، لیکن ہیلن بُہت ہی اچھّی لڑکی تھی۔ وہ بُہت پریشان تھی کہ آکر ماں اور بہن واپس کیوں نہیں آئیں! اب تو ہوا بھی بند ہو چُکی تھی اور برف بھی نہیں گِر رہی تھی۔ اُس نے گھر سے باہر نِکل کر اُن دونوں کو آوازیں دیں، لیکن جواب میں کوئی آواز نہ آئی۔ اُس نے کھڑکی بند کی، بتّی بُجھائی اور سو گئی۔

اگلے دن بھی ہیلن تمام دِن اُن دونوں کا اِنتظار کرتی رہی، لیکن نہ ماں آئی اور نہ

بہن۔ آتیں بھی کیسے، وہ تو رات کو برف میں دب کر مر گئی تھیں۔ ظُلم کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔

اب وُہ چھوٹا سا مکان اور کھیت ہیلن کے تھے۔ اُس نے مکان کو خوب بنایا، سنوارا۔ کھیت میں محنت سے کام کیا۔ پھر ایک دِن ایک کسان کے محنتی لڑکے سے اُس کی شادی ہو گی اور وہ دونوں بڑے آرام سے زندگی بسر کرنے لگے۔

تیسرا شہزادہ

ایک بادشاہ کے تین خُوب صُورت بیٹے تھے اور وُہ اُنہیں بہت پیار کرتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُس کے بیٹے حکُومت کے کام کو اچھّی طرح سمجھیں تاکہ جب وُہ بُوڑھا ہو جائے تو اُس کی جگہ لے سکیں۔

بڑے دو لڑکے تو اپنے باپ کی مرضی کے مطابق چلتے اور حکُومت کے کاروبار میں پوری دِلچسپی لیتے تھے۔ لیکن سب سے چھوٹا شہزادہ کُچھ اور ہی طرح کا تھا۔ اُسے حکومت اور اُس کے کاموں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

اُسے تو جنگل کے درختوں سے دلچسپی تھی اور وہ اپنی زندگی جنگلوں اور کھیتوں میں

گزارنا چاہتا تھا۔ بادشاہ کو شہزادے کی یہ بات پسند نہ تھی اور وہ اکثر اُس کو ڈانٹتا رہتا تھا۔

جب شہزادہ اپنی ضد پر اڑا رہا تو ایک دن بادشاہ نے کہا۔ ''اچھا، ٹھیک ہے۔ اگر تُمہیں کھیتوں اور جنگلوں میں ہی رہنا ہے تو رہو، لیکن میرے مُلک میں تُم ایسا نہیں کرسکتے۔ تُمہیں اِجازت ہے، جہاں چاہو جاؤ، لیکن میرا مُلک چھوڑ دو۔ ''

شہزادے کو اپنے باپ کی بات پر بہت افسوس ہوا اور وہ بولا۔ ''بہتر ہے۔ میں چلا جاتا ہوں۔ ''

یہ کہہ کر اُس نے قیمتی کپڑے اُتارے اور عام مُسافروں کے کپڑے پہن کر نِکل کھڑا ہوا۔ اُس شہزادے کا نام تھا ہاکنز۔

ہاکنز گھر سے تو نِکل پڑا، لیکن اب اُسے معلُوم ہُوا کہ باپ کے سہارے جینا کتنا آسان ہوتا ہے اور دنیا میں نِکل کر روزی کمانا کتنا مُشکل کام ہے۔ لیکن اُس کی طبیعت بچپن سے ہی نہایت سادہ تھی۔ وُہ جنگل میں کسی درخت کا پھل کھا لیتا، ندی سے پانی پی لیتا اور گھاس پر پڑ کر سو رہتا۔

ایک دِن وُہ ایک درخت کے نیچے سو رہا تھا کہ ایک کالا کلوٹا سا آدمی آیا اور اُس کو جگانے لگا۔ ہاکنز نے اُس سے پہلے کبھی کالے رنگ کا آدمی نہ دیکھا تھا۔ وُہ اُس حبشی کو دیکھ کر سخت خوف زدہ ہوا لیکن پھر اُسے جلد ہی اِس بات کا اِحساس ہو گیا کہ یہ آدمی بُرا نہیں۔ اُس حبشی کو بھی ہاکنز بُہت اچھّا لگا اور وہ اُسے اپنے گھر لے گیا، جو اُس جنگل ہی میں تھا۔

ہاکنز اُس حبشی کے گھر سات سال رہا اور اُس نے اُس سے سات زبانوں میں بات چیت کرنا سیکھا۔ اِس کے علاوہ حبشی نے اُسے کئی قسم کے باجے اور بانسریاں بجانا بھی سکھائیں۔ جس جنگل میں حبشی اور ہاکنز رہتے تھے، یہ ایسے علاقے میں تھا جہاں ایک خوف ناک اژدھا رہتا تھا۔ یہ اژدھا ہر سال ایک اِنسان اور ایک بکرے کی قربانی لیتا تھا اور اگر اُسے یہ چیزیں نہ ملتیں تو وہ آبادی میں آ کر بُہت تباہی مچاتا تھا۔ اب لوگوں نے یہ طریقہ اِختیار کیا تھا کہ وہ قُرعہ ڈالتے، جس کا نام قُرعے میں نِکل آتا، اُسے اُس سال اژدھے کا لُقمہ بننا پڑتا تھا۔

اس سال یُوں ہوا کہ قرعہ اُس مُلک کے بادشاہ کی بیٹی کے نام نِکلا۔ چلتے چلاتے یہ

بات جنگل میں بھی پُہنچ گئی۔ حبشی اور ہاکنز نے مشورہ کیا کہ بادشاہ کی مدد کرنی چاہیے۔ بلکہ کِسی نہ کِسی طرح اس اژدھے کو ہی ختم کرنا چاہیے تا کہ لوگ سُکھ کا سانس لے سکیں۔ حبشی نے ہاکنز سے کہا۔ "تم کل صُبح پڑوس کے گاؤں میں جاؤ۔ وہاں کِسی کِسان کے جانور چرانے کی نوکری کر لینا اور جو مویشی چَرانے کو ملیں، اُنہیں اس جنگل میں لے آنا۔ "

یہ بات ہاکنز کی سمجھ میں تو نہ آئی لیکن اُس نے اُس پر عمل کیا۔ اگلے دِن وُہ اُس گاؤں میں گیا اور ایک کِسان کے ہاں مویشی پالنے کی نوکری کر لی۔ وُہ اُن مویشیوں کو ہانکتا ہوا جنگل میں لے آیا، جہاں حبشی اُس کا اِنتظار کر رہا تھا۔ حبشی نے اسے ایک انگوٹھی اور ایک ڈنڈا دے کر کہا :

"اس انگوٹھی کر ذرا سا دائیں طرف گھماؤ گے تو اپنے آپ کو ایک قلعے کے پاس پاؤ گے۔ اس قلعے میں ایک جِن رہتا ہے۔ تُمہارا کام ہے اِس جِن کو مارنا۔ اِس جِن کو مارنے میں یہ ڈنڈا تُمہاری مدد کرے گا۔ اُسے مار کر اُس کا کوٹ، تلوار اور گھوڑا قبضے میں کر لینا اور پھر انگوٹھی کو ذرا سا بائیں طرف گھُمانا۔ اب تم اپنے آپ کو

اُس سڑک پر پاؤ گے جو شہر کے پاس سے گُزرتی ہے۔ اسی سڑک پر سے شہزادی کو اژدہے کے پاس لے جایا جائے گا۔ باقی کام تُم خُود کر سکتے ہو۔" ہاکنز نے انگوٹھی اور ڈنڈا لیا۔ واقعی حبشی نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ انگوٹھی دائیں طرف گھُمائی تو پلک جھپکنے میں اُس نے اپنے آپ کو ایک بہت بڑے قلعے کے باہر پایا۔ قلعے کے دروازہ میں ایک جِن کھڑا تھا۔ وہ اُس کو دیکھتے ہی چلّایا :

"ہا۔۔۔ہا۔۔ہا۔۔۔" ننّھے کیڑے، تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟"

"میں؟" ہاکنز بولا۔ "میں تُمہارا یہ مٹکے جیسا سر کاٹنے آیا ہوں۔"

ہاکنز کے جواب پر جِن کو اتنا غصّہ آیا کہ اُس نے ایک درخت اُکھاڑ کر بڑے زور سے ہاکنز کے سر پر دے مارا۔ لیکن ہاکنز بُہت تیز تھا۔ وہ نہایت پھُرتی سے جِن کا وار بچا گیا اور حبشی کا دیا ہوا ڈنڈا پُورے زور سے گھُما کر جِن کی کمر میں مارا۔ جِن لڑکھڑا کر زمین پر گِرا اور مر گیا۔

ہاکنز نے جِن کی تلوار اُٹھائی، پہلے اُس کا سر کاٹا اور پھر اُس کی جیب کی تلاشی لی۔ جیب سے ایک لوہے کی چابی بر آمد ہوئی۔ ہاکنز نے قلعے کے ایک کمرے میں چابی لگائی تو وہ کھُل گیا۔ ہاکنز کو یہاں سے جِن کا "" کوٹ ملا اور ایسا لباس بھی مِلا جو گھُڑ سوار پہنتے ہیں۔ اب اُس نے اپنا لباس تبدیل کیا۔ اصطبل سے جِن کا گھوڑا لیا، گھوڑے پر سوار ہو کر انگوٹھی کو دوبارہ گھُمایا تو پلک جھپکتے میں اپنے آپ کو ایک سڑک پر پایا۔

اس سڑک پر لوگ، جلُوس کی شکل میں، شہزادی اور بکرے کو لیے اژدھے کے غار کی طرف جارہے تھے۔

ہاکنز نے لوگوں سے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ آپ لوگ اُداس کیوں ہیں؟ "

لوگوں نے اُسے اژدھے کے متعلّق بتایا کہ کِس طرح وہ ہر سال ایک انسانی جان کی قربانی لیتا ہے اور اس سال قربانی کا قُرعہ یہاں کی شہزادی کے نام نِکلا ہے۔ اِس وقت وہ لوگ شہزادی کو لے کر اژدھے کے غار کی طرف جارہے ہیں۔

ہاکنز بولا۔ "شہزادی کی جگہ میں قربان ہونے کو تیّار ہوں۔ مجُھے ذرا اژدھے کا غار

تو دکھاؤ۔"

لوگوں نے ایک پہاڑی کی طرف اشارہ کیا۔ ہاکنز گھوڑا دوڑا کر وہاں پہنچا اور غار کے باہر پہنچ کر بولا۔ "اژدھے۔ باہر آؤ۔ ہم لوگ تُمہارا کھانا لے آئے ہیں۔ جلدی کرو۔"

غار کے اندر سے آواز آئی۔ "آج مُجھے بھُوک نہیں ہے۔ کل گیارہ بجے آنا۔"

ہاکنز گھوڑا دوڑاتا ہوا واپس لوگوں کے پاس گیا اور بولا "آج اژدھا تُمہاری قربانی قبول نہیں کرے گا۔ وہ کہتا ہے کہ کل آنا۔"

یہ سُن کر لوگ شہر کی طرف واپس چلے گئے۔ شہزادی نے ہاکنز کی مُلاقات بادشاہ سے کرائی اور اُس نے ہاکنز سے کہا کہ وہ آج یہیں رہے۔ لیکن ہاکنز نے ٹال دیا۔ پھر انگوٹھی کو گھُمایا تو اپنے آپ کو قلعے میں پایا۔ وہاں اُس نے اپنے پرانے کپڑے پہنے اور گھوڑے کو اصطبل میں کھڑا کر کے پھر انگوٹھی گھُمائی تو پلک جھپکتے میں جنگل میں پہنچ گیا، جہاں حبشی کھڑا اُس کے مویشی چَرا رہا تھا۔

ہاکنز نے حبشی کو سارا قصّہ سُنایا تو وہ بولا۔ ”شاباش! تُم نے بہُت خُوب کام کیا۔ آیندہ بھی ایسا ہی کرنا۔“

اگلی صُبح پھر ہاکنز مویشی ہانک کر جنگل میں لے آیا۔ کل کی طرح آج بھی حبشی اُس کا اِنتظار کر رہا تھا۔ ہاکنز کو دیکھتے ہی وہ بولا :

”اگر تُم میرے کہنے پر عمل کرو گے تو ضرُور کامیاب ہو گئے۔ آج تُمھیں ایک اور جِن سے لڑنا ہے۔ شاید اژدھا آج باہر آ جائے۔ یہ لو انگوٹھی اور ڈنڈا۔ تم جاؤ۔ میں تُمھارے مویشی چَراتا ہوں۔ “

ہاکنز نے انگوٹھی گھُمائی تو اپنے آپ کو کل سے بھی بڑے قلعے کے باہر پایا۔ قلعے کے دروازے میں ایک بہُت بڑا جِن کھڑا تھا۔ ہاکنز کو دیکھ کر اُس کے ماتھے پر بل پڑ گئے اور وہ گرج کر بولا :

”انسان کے بچّے! تُمھیں تُمھاری موت اِدھر لے آئی ہے۔ کیا کرنے آئے ہو یہاں؟“

ہاکنز بولا۔ ”میری موت نہیں، تُمہاری موت مُجھے اِدھر لائی ہے۔ میں تُمہار سر کاٹنے آیا ہوں۔“

جِن کے ہاتھ میں ایک بڑا سا ہتھوڑا تھا۔ اُس نے پورے زور سے ہتھوڑا ہاکنز کی طرف پھینکا۔ لیکن ہاکنز نہایت تیزی سے ہتھوڑے کے وار سے بچ گیا اور بجلی کی سی تیزی سے جِن کی ٹانگوں پر کَس کَس کے دو تین ڈنڈے مارے۔ جِن کے قدم لڑکھڑائے اور وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

جِن کے گِرتے ہی ہاکنز نے اُس کی تلوار لی اور اُس کا سر کاٹ دیا۔ جِن کی تلاشی لینے پر اُس کی جیب سے چاندی کی چابی نِکلی۔ ہاکنز نے یہاں بھی قلعے کا ایک کمرا کھولا اور ایسا لباس پہنا جو بُہت امیر آدمی پہنتے ہیں، پھر جِن کے اصطبل سے گھوڑا نکال کر اُس پر سوار ہوا، انگوٹھی کو گھُمایا اور اُسی سڑک پر پُہنچ گیا جہاں لوگ دوسرے دِن شہزادی کو لے کر اژدہے کے غار کی طرف جا رہے تھے۔ لوگ بُہت غم گین اور سوگوار تھے اور آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ ہاکنز آج دوسرے لباس میں تھا۔ اُس نے لوگوں سے پُوچھا تو اُنھوں نے اژدھے کا قصّہ سُنایا۔ ہاکنز

بولا :

”اتنی خُوب صُورت شہزادی کے لیے تو میں اپنی جان بھی دینے کو تیّار ہوں۔ کِدھر ہے وُہ اژدھا؟“

لوگوں نے پہاڑی کے دامن کی طرف اشارہ کیا۔ ہاکنز تیزی سے گھوڑا دوڑا کر وہاں پہنچا اور بولا۔ ”اژدہے؟ باہر آؤ۔ تُمہارا کھانا حاضر ہے۔“

اندر سے اژدھے کی آواز آئی۔ ”آج مُجھے بھوک نہیں ہے۔ کل اِسی وقت آنا۔“

شہزادی کی جان ایک دن کے لیے اور بچ گئی۔ لوگ واپس شہر چلے گئے۔ بادشاہ نے ہاکنز کو رُوکنے کی بڑی کوشش کی، لیکن وہ نہ مانا۔ اُس نے انگوٹھی گھُمائی، قلعے میں پہنچا، اپنا گڈریے والا لباس پہنا اور گھوڑے کو اصطبل میں بند کر کے پھر انگوٹھی گھُمائی تو جنگل میں حبشی کے پاس پہنچ گیا جو اُس کے مویشی چَرا رہا تھا۔ اُس نے ہاکنز سے کہا:

”مویشیوں کو لے جاؤ، لیکن کل ذرا جلدی آنا کیوں کہ اصل کام تو تُمہیں کل کرنا

ہے۔"

اِس خیال سے کہ صُبح دیر نہ ہو جائے، ہاکنز رات بھر نہ سویا اور صُبح ہی صُبح مویشی لے کر جنگل میں پُہنچ گیا۔ حبشی اُس کا اِنتظار کر رہا تھا۔ وہ ہاکنز کو دیکھتے ہی بولا:

"آج تُمھاری مُہم کا آخری دن ہے۔ آج جِن کے علاوہ اژدھے سے بھی تُمھاری لڑائی ہو گی۔ یہ لو انگوٹھی اور ڈنڈا۔ اِن کو استعمال کرنے کا طریقہ تُمھیں معلُوم ہی ہے۔ لیکن آج ایک نئی بات ہو گی۔ جِن کو مارنے کے بعد تم اُس کی جیب سے سونے کی چابی نِکالو گے، لباس بدلو گے، لیکن جب اصطبل میں جاؤ گے تو وہاں تُمھیں کئی گھوڑے نظر آئیں گے۔ آج تُمھیں کالے گھوڑے پر سواری کرنی ہے۔ یہ بات خاص طور پر یاد رکھنا، کیوں کہ آج کی مُہم کے لیے صرف کالا گھوڑا ہی کام آ سکتا ہے۔"

ہاکنز نے انگوٹھی گھُمائی تو ایک بہت لمبے چوڑے قلعے کے پاس پُہنچ گیا۔ اِس قلعے کے دروازے میں اِتنا بڑا جِن کھڑا تھا کہ اُس کے مُقابلے میں پہلے دو جِن بالکل بونے نظر آتے تھے۔ ہاکنز کو دیکھتے ہی جِن اِس کی طرف لپکا۔ جِسم بُہت بڑا ہو تو

اُسے روکنا بُہت مُشکل ہوتا ہے۔ جِن ہاکنز کے پاس پُہنچ کر اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا اور آگے نکل گیا۔ ہاکنز نے اِس موقع سے فائدہ اُٹھایا اور دو تین ڈنڈے جِن کی ٹانگوں پر مارے۔

جِن لڑکھڑا کر زمین پر گرا اور اِس سے پہلے کہ وہ دوبارہ کھڑا ہوتا، ہاکنز نے اُسی کی تلوار سے اُس کا سر کاٹ دیا۔

تلاشی لینے کے بعد جِن کی جیب سے سونے کی چابی نِکلی۔ اُس نے کمرا کھولا تو وہاں آج بہت ہی خُوب صُورت کپڑے ملے۔ پھر وُہ اصطبل میں گیا جہاں اُسے کئی گھوڑے نظر آئے۔ حبشی کی بات ہاکنز کو یاد تھی۔ اُس نے کالا گھوڑا نِکالا، اور اُچک کر اُس پر سوار ہو گیا۔ پھر انگوٹھی گھُمائی تو اپنے آپ کو اُسی سڑک پر پایا جہاں لوگ جلُوس کی شکل میں، شہر سے شہزادی کو اژدہے کے غار کی طرف لے جا رہے تھے۔ جب جلُوس ہاکنز کے پاس پُہنچا تو اُس نے لوگوں سے پُوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ آپ لوگ اُداس کیوں ہیں؟ لوگوں نے اُسے سب کُچھ بتا دیا۔ ہاکنز نے شہزادی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”اس شہزادی کے لیے تو میں اپنی جان بھی دینے کو

تیّار ہوں۔ کِدھر ہے وہ اژدھا؟ “

لوگوں نے اژدھے کے غار کی طرف اِشارہ کیا۔ ہاکنز گھوڑا دوڑا کر غار کے مُنہ پر پہنچا اور چلّایا۔ ”اژدھے! باہر آؤ، دیکھو، ہم تُمہارے کھانے کو کتنی عمدہ چیز لائے ہیں۔ “

اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے زمین کانپنے لگی ہو۔ پھر کُچھ پتھّر پہاڑ کی چوٹی سے لُڑھکتے ہوئے نیچے آئے اور اس کے ساتھ ہی مٹّی کا ایک بڑا تودہ زور دار آواز سے نیچے گِرا۔ پھر ساری پہاڑی چیختی ہوئی سُنائی دی اور زبردست گرج اور چنگھاڑ کے ساتھ اژدھا باہر نِکلا۔

توبہ! توبہ! اژدھے کو دیکھ کر ہاکنز کا دِل دہل گیا۔ یہ کوئی عام اژدھا نہ تھا۔ اِس کے سات سر تھے اور سات مُنہ اور ساتوں میں سے آگ کے شُعلے نِکل رہے تھے۔ یہ اِتنا خوف ناک نظّارہ تھا کہ معمولی آدمی ہوتا تو چیخیں مار کر بھاگ نکلتا۔ لیکن ہاکنز تو بُہت بہادُر نوجوان تھا۔ وہ وہیں ڈٹا کھڑا رہا۔

اژدھا دوڑ کر ہاکنز پر جھپٹا۔ ہاکنز نے جِن والی تلوار نکالی اور کالے گھوڑے کو کمال

پھُرتی سے آگے پیچھے ہٹاتا ہوا اژدہے کے ایک سر پر تلوار ماری۔ سر کٹ کر زمین پر گِرا۔ مگر اُس نے دوسرا سر کاٹا، پھر تیسرا۔ وُہ اژدہے کے سر ایک ایک کر کے کاٹتا گیا۔ لیکن عجیب بات تھی کہ جو سر بھی کٹ کر گِرتا، اس کی جگہ دوسرا سر نِکل آتا۔

ہاکنز سر کاٹتا گیا اور گھوڑا پُوری تیزی سے آگے پیچھے اُچھلتا رہا۔ اژدھے کے کٹے ہوئے سروں کی جگہ نئے سر اِتنی تیزی سے نِکل رہے تھے کہ تلوار چلاتے چلاتے ہاکنز کے بازُو شل ہو گئے اور کُچھ دیر بعد وُہ اِس قدر تھک گیا کہ اُس سے تلوار بھی نہ اُٹھائی جاتی تھی۔ اب اُس کی شِکست یقینی تھی۔ اژدہے کا ایک یا دو سر ہوتے تو وہ مُقابلہ کر سکتا تھا، لیکن اب تک وہ سو کے قریب سر کاٹ چُکا تھا اور جتنے کاٹتا اُتنے ہی اور نِکل آتے۔

آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ گھوڑے کو موڑ کر یہاں سے بھاگ نکلے۔ اس نے گھوڑے کو موڑنا چاہا تو اُس نے مُڑنے کی بجائے اگلے پاؤں اُوپر اُٹھا لیے اور پچھلے پیروں پر کھڑا ہو کر اتنی زور سے ہنہنایا کہ اُس کی آواز پہاڑوں میں گُونج اُٹھی۔

ہاکنز نے اپنے ہاتھ اور پاؤں گھوڑے کی پُشت پر مضبوطی سے جما دیے تاکہ گِر نہ پڑے۔

یکا یک گھوڑے نے اپنے اگلے پاؤں کے نعلوں سے اژدھے پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے۔ وہ کبھی دائیں سے حملہ کرتا، کبھی بائیں سے۔ اُس کے حملے اِس قدر تیز تھے کہ اژدھا پیچھے ہٹنے لگا۔

جب گھوڑا اژدھے سے لڑ رہا تھا تو ہاکنز اُس کی پیٹھ پر چُپ چاپ بیٹھا آرام کر رہا تھا۔ جب اُس نے محسوس کیا کہ اب تھکاوٹ دُور ہو گئی ہے تو اُس نے تلوار اُٹھائی اور ایک ہی جھٹکے میں اثدھے کے ساتوں سر اُڑا دیے۔ اِس وار نے اژدھے کا کام تمام کر دیا اور وہ دھڑام سے زمین پر گِر پڑا۔ اِس کے ساتھ ہی ہاکنز بھی بے ہوش ہو کر گھوڑے پر سے گِر گیا۔

شہزادی۔۔۔ اور وہ سب لوگ جو شہزادی کے ساتھ آئے تھے، دُور سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ وہ آگے آئے اور ہاکنز کو اُٹھا کر لے گئے۔ اُنھوں نے اُسے پنکھے سے ہوا دی تو اُسے ہوش آ گیا۔

شہزادی نے اپنی انگوٹھی اور گلے کا ہار اُتار کر اُسے دیا اور کہا کہ وہ محل میں چل کر بادشاہ سے ملے، لیکن ہاکنز نے اُسے بتایا کہ اُسے ابھی بُہت سے ضرُوری کام کرنا ہیں۔ وہ یہاں زیادہ دیر نہیں رُک سکتا۔ اُس نے وعدہ کیا کہ وُہ چند روز بعد ضرُور آئے گا۔

تھوڑی دُور جا کر ہاکنز نے انگوٹھی کو گھُمایا تو جِن کے قلعے میں پُہنچ گیا۔ اُس نے گھوڑے کو واپس اصطبل میں کھڑا کیا، اپنے گڈریے والے کپڑے پہنے، لیکن تلوار واپس نہ رکھی۔ یہ تلوار وُہ اپنے دوست حبشی کو تحفے میں دینا چاہتا تھا۔ اب اُس نے انگوٹھی کو گھُمایا تو اپنے آپ کو جنگل میں پایا، جہاں حبشی اُس کے مویشی چَرا رہا تھا۔ اُس نے حبشی کو تلوار دی اور جب سارا واقعہ تفصیل سے سُنایا تو حبشی بولا :

”تم نے واقعی کمال کر دیا۔ اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“

ہاکنز اتنا خوش تھا کہ اُس رات اُس نے بڑی مدھ بھری آواز میں بانسری بجائی بانسری کی آواز اتنی میٹھی تھی کہ لوگ اس کے اِرد گِرد جمع ہونے لگے۔ ہاکنز نے

اُن سے پُوچھا کہ شہزادی اور اژدھے کا کیا بنا؟ اُنہوں نے بتایا کہ کالے گھوڑے پر سوار ایک بہادر نوجوان آیا تھا۔ اس نے اژدھے کو مار کر شہزادی کو بچا لیا۔ اب بادشاہ اپنی لڑکی کی شادی اُسی نوجوان سے کرنا چاہتا ہے۔

ہاکنز بولا۔ ”ارے! یہ کیا مُشکل کام ہے۔ اگر میں کوشش کرتا تو میں بھی اژدھے کو مار سکتا تھا۔“

اُس کی اِس بات پر لوگ بُہت ہنسے اور اُنہوں نے اُسے مشورہ دیا کہ شیخی بگھارنے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ بھیڑ بکریاں چراؤ۔

اُدھر محل میں ہاکنز کے اِستقبال کی تیّاریاں کی جارہی تھیں اور ایسی گہما گہمی تھی جیسے شادی کے موقع پر ہوتی ہے۔ لیکن کافی دِن گُزر گئے، ہاکنز والی نہ آیا۔ شہزادی بہت اُداس تھی۔ بادشاہ بھی پریشان تھا۔ اِدھر چھٹے دِن ہاکنز نے کِسان سے کہا کہ چند روز کی اُسے چھُٹّی دی جائے تاکہ وہ شاہی محل میں جا کر، شہزادی کی شادی کے موقع پر بانسری بجائے اور لوگوں کا دِل خُوش کرے۔ کِسان نے اُسے اِس شرط پر اِجازت دے دی کہ بانسری بجانے پر اُسے جو اِنعام ملے گا، اُس

میں نے آدھاوُہ کسان کو دے گا۔

اگلی صُبح ہاکنز نے بانسری لی اور محل کی طرف چل دیا۔ محل کے باہر اُس نے بانسری بجائی۔ بانسری کی دُھن اتنی پیاری تھی کہ لوگ بے اختیار اُس کی طرف کھِنچے چلے آئے۔ اُنہی میں شہزادی بھی تھی۔

جب سب لوگ خُوب بانسری سُن چُکے تو ہاکنز نے جانے کی اِجازت چاہی۔ لوگوں نے پُوچھا کہ وہ کیا اِنعام چاہتا ہے؟ ہاکنز بولا :

"شہزادی کے ہاتھوں ایک گلاس پانی پلوادیجیے۔

شہزادی نے گلاس اور جگ لانے کا حکم دیا۔ پھر اُس نے گلاس میں پانی بھر کے ہاکنز کو دیا۔ ہاکنز نے پانی پیا اور خالی گلاس میں وہ انگوٹھی ڈال دی جو شہزادی نے اُسے ہار کے ساتھ دی تھی۔

اب شہزادی نے اپنے لیے پانی کا گلاس بھرا، اور جب پینے لگی تو اُس کی نظر انگوٹھی پر پڑی، جسے اُس نے فوراً پہچان لیا اور بانسری والے سے پُوچھا کہ یہ

انگوٹھی اُس کے پاس کیسے آئی؟ ہاکنز نے اُسے بتایا کہ میں وُہ شخص ہوں جس نے اژدھے کا کام تمام کیا تھا تو شہزادی کی خُوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ وہ ہاکنز کو لے کر بھاگی بھاگی بادشاہ کے پاس گئی۔ بادشاہ نے اپنے ہونے والے داماد کا بڑی گرم جوشی سے اِستقبال کیا اور فوراً شاہی درزی کو طلب کیا کہ وُہ ہاکنز کے لئے شاہی لباس تیّار کرے۔

ایک ہفتے بعد ہاکنز اور شہزادی کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہو گئی اور وُہ دونوں ہنسی خُوشی رہنے لگے۔ ایک دن شہزادی نے کہا کہ میں اپنی ساس اور سُسر کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ ہاکنز نے بھی سوچا کہ اب موقع ہے کہ وُہ اپنی بیوی کو لے کر گھر جائے، لیکن پھر اُسے اپنے باپ کی ناراضی کا خیال آ گیا۔ اُس نے اپنے باپ کو خط لکھا کہ فُلاں فُلاں شہزادی آپ سے ملنے آ رہی ہے۔

وہ دونوں روانہ ہو گئے، لیکن اکٹھے نہیں، بلکہ علیحدہ علیحدہ۔ شہزادی اپنی پُوری شان و شوکت اور ساز و سامان کے ساتھ گئی اور ہاکنز نے گڈریوں والا میلا کُچیلا لباس پہن کر علیحدہ راستہ اِختیار کیا۔

جب شہزادی کا جلُوس ہاکنز کے باپ کے محل کے باہر پہنچا تو لوگوں کا ایک ہجوم اِستقبال کے لیے کھڑا تھا۔ ان میں بادشاہ خُود بھی تھا۔ ہاکنز بھی سب کی نظر بچا کر اُن لوگوں میں شامل ہو گیا۔

جب بادشاہ مہمانوں کو لے کر محل کے اندر داخل ہونے لگا تو اور لوگوں کے ساتھ ہاکنز بھی اندر چل دیا۔ اچانک بادشاہ کی نظر اُس کے میلے کچیلے کپڑوں پر پڑی۔ اُس نے فوراً نوکروں کو حکم دیا کہ اس گندے شخص کو باہر نِکال دیا جائے۔ لیکن جب غور سے دیکھا تو ہاکنز کو پہچان لیا اور غصّے سے کانپنے لگا۔ اُسے اِس بات کا دُکھ تھا کہ اُس کا پیارا بیٹا اِتنے عرصے بعد گھر آیا بھی ہے تو اُسی گندے لباس میں جس میں گھر سے نِکلا تھا۔ بادشاہ کے حکم پر ہاکنز کو جیل بھیج دیا گیا۔

جیل کے سب ملازم ہاکنز سے واقف تھے، اِس لیے اُس کے لیے جیل سے باہر نِکلنا کوئی مُشکل کام نہ تھا۔ وُہ جیل سے نِکل کر محل میں داخل ہوا۔ وہاں بُہت سے مہمان جمع تھے۔ بادشاہ نے شہزادی کو بڑی شان دار پارٹی دی تھی۔ ہاکنز چُپ چاپ شہزادی کے پاس جا بیٹھا۔ بادشاہ کی نظر اُس پر پڑی تو اُس کا چہرہ غصّے سے

سُرخ ہو گیا اور اُس نے شہزادی سے کہا: ”میں اس شخص کی بد تمیزی پر آپ سے بُہت شرمندہ ہوں اور معافی چاہتا ہوں۔ “

شہزادی بولی۔ ”ایسی تو کوئی بات نہیں۔ بُرا ماننا تو ایک طرف، میں تُو اِس شخص کے یہاں بیٹھنے سے بُہت ہی خوش ہوں۔ “

پارٹی ختم ہوئی تو ہاکنز نظر بچا کر شہزادی کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ پہلے تو وُہ دونوں خُوب ہنسے، پھر ہاکنز نے وہ شاہانہ کپڑے پہنے جو شہزادی اپنے ساتھ لائی تھی۔ اُس کے بعد دونوں بڑے رُعب داب سے بادشاہ کے پاس گئے اور اس سارا قصّہ الف سے ے تک سُنایا۔

بادشاہ نے اُس کے جواب میں کیا کہا اور کیا نہ کہا؟ اس کا کبھی کُچھ پتا نہ چل سکا، کیوں عین اُسی وقت بینڈ باجے کی آواز آئی۔ سب لوگ حیران ہو کر ایک دوسرے کا مُنہ تکنے لگے۔ ان باجے والوں کے پیچھے وُہ حبشی بھی تھا جِس کے پاس ہاکنز سات سال رہا تھا اور جس کے ڈنڈے اور انگوٹھی کی مدد سے اُس نے تین جِنوں کو شکست دی تھی اور پھر اژدھے کو مارا تھا۔ حبشی سیدھا ہاکنز کے پاس پہنچا

اور ایک دم اپنی تلوار نکال لی۔ لوگ بُہت پریشان ہوئے، لیکن اگلے ہی لمحے اُس نے تلوار کا دستہ ہاکنز کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "اس تلوار سے میرا سر اُڑا دو۔ جلدی کرو۔"

ہاکنز بُہت گھبرایا۔ وُہ بھلا اپنے مُحسن کا سر کیسے کاٹ سکتا تھا؟ وُہ حبشی کے قدموں میں گِر کر گِڑگِڑایا۔ "خُدا کے لیے میری حالت پر رحم کرو۔ میں نے جو کامیابیاں حاصل کی ہیں، وُہ سب تُمہاری ہی وجہ سے تو کی ہیں۔ میری خوشیاں تُمہاری ہی دی ہوئی ہیں۔ میں اِن نیکیوں کا بدلہ تُمہارا سر کاٹ کر دوں؟ نہیں، نہیں۔ یہ مُجھ سے نہ ہو سکے گا۔"

حبشی ضِد کر کے بولا۔ "اگر تُم نے میرا سر نہ کاٹا تو نہ صِرف میں تباہ ہو جاؤں گا، بلکہ تُمہاری سب خُوشیاں بھی تُم سے چھن جائیں گی۔ لو! اب جلدی کرو۔"

ہاکنز بے چارہ کیا کرتا۔ اُس نے تلوار اُٹھائی اور ایک ہی جھٹکے میں اپنے مُحسن کا سر تن سے جُدا کر دیا۔

شہزادی یہ نظّارہ دیکھ کر چیخنے لگی۔ لیکن جلد ہی اُس کی چیخیں حیرت میں بدل

گئیں۔ جہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے کالا کلوٹا حبشی کھڑا تھا، وہاں اب ایک اٹھارہ سالہ خُوب صُورت، گورا چٹّا نوجوان کھڑا مُسکرا رہا تھا۔ اُس نے سب کو بتایا کہ ”میں یورپ کا ایک شہزادہ ہُوں۔ یہاں بوہیمیا میں گھومتے پھرتے مُجھ پر کسی نے جادُو کر دیا تھا اور یہ جادُو ہاکنز کی تلوار نے ختم کر دیا ہے۔ مُجھے گھر سے نکلے ہوئے بہت عرصہ ہو گیا ہے اور اب میں فوراً ہی واپس جانا چاہتا ہوں۔“

ہاکنز نے بڑے تپاک سے یورپی شہزادے کو رُخصت کیا، اور وہ اور شہزادی ہنسی خُوشی رہنے لگے۔

کُتّے بِلّیوں سے نفرت کیوں کرتے ہیں

کُتّا بِلّی کو دیکھ لے تو فوراً اُس کے پیچھے بھاگتا ہے۔ اِسی طرح بلّی چوہے کو دیکھ لے تو نہ صِرف اُسے مار دیتی ہے، بلکہ کھا بھی جاتی ہے۔ اِس دُشمنی کی کیا وجہ ہے؟ اس کے متعلّق ہم آپ کو ایک کہانی سُناتے ہیں۔

یہ اُس زمانے کی بات ہے، جب دُنیا نئی نئی بنی تھی۔ دُنیا بھر کے بادشاہوں نے ایک میٹنگ بُلائی تا کہ یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ جانوروں میں کون سا ایسا جانور ہے جس پر انسان بھروسا کر سکے اور اُسے اپنے دُکھ درد کا ساتھی بنا سکے۔

بڑی بڑی تجویزیں پیش ہوئیں۔ شیر کی بہادُری، چیتے کی رفتار، لومڑی کی چالاکی

اور اُلّو کے فلسفے، سب پر غور کیا گیا۔ لیکن آخر کار کافی بحث کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ کُتّا ہی ایک ایسا جانور ہے جس پر انسان پُورا پُورا بھروسا کر سکتا ہے۔

کُتّوں کو انسان کے اس فیصلے کا عِلم ہوا تو اُن کی خُوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا اور اُن کا سر فخر سے اُونچا ہو گیا۔ اُنہوں نے فوراً کُتّوں کی ایک میٹنگ بُلائی۔ چند سیانے کُتّوں نے کہا کہ کیا پتا ہے انسان اپنے فیصلے سے پھِر جائے، اِس لیے بہتر ہے کہ اِنسان سے اِس بات کی تحریر لے لی جائے کہ کُتّوں کو کیا کیا اختیارات دیے گئے ہیں تا کہ وہ اپنی ڈیوٹی بہتر طریقے سے انجام دے سکیں۔ تمام کُتّوں نے اِس بات سے اِتّفاق کیا اور اپنا ایک نُمایندہ بادشاہوں کے پاس بھیجا، جس نے ساری بات تفصیل سے اُن کو کہہ سُنائی۔

بادشاہوں کی نیّت نیک تھی۔ اُنہوں نے یہ فیصلہ کسی کی سفارش پر نہیں کیا تھا بلکہ کُتّے کی صفتیں دیکھ کر کیا تھا، اس لیے اُن کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اُنہوں نے یہ فیصلہ پوری تفصیل کے ساتھ ایک کاغذ پر لکھ کر دستخط کر دیے۔

کُتّے اِس کاغذ کو دستاویز کہتے تھے اور اُس کی بہت حفاظت کرتے تھے کیوں کہ یہ

اُن کے لیے بڑی عزّت کی بات تھی۔ اُنھوں نے یہ دستاویز ایک سیانے کُتّے پاس رکھوا دی۔

بِلّیاں اِنسان کے اس فیصلے پر بہت ناراض تھیں۔ اُنہیں اُمّید تھی کہ اِنسان اپنے ساتھی کے لیے اُن کو چُننے گا۔ بادشاہوں کے فیصلے نے اُنہیں بُہت مایوس کیا تھا لیکن اُن کا کُچھ زور نہ چلتا تھا۔

بلّیوں نے بھی ایک میٹنگ بُلائی جس میں دُنیا بھر کی بِلّیاں شامل ہوئیں تا کہ بادشاہوں کے فیصلے کے خلاف غم اور غصّے کا اظہار کیا جائے۔ اُنہیں اس بات کا بہت غم تھا کہ انسان کا دوست ہونے کی عزّت کُتّوں کو کیوں دی گئی جو ایک معمولی سی ہڈّی پر آپس میں لڑ پڑتے ہیں۔

آخر کافی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ کسی نہ کسی طرح یہ دستاویز کُتّوں سے چھین لی جائے۔ لیکن کُتّے بِلّیوں سے زیادہ طاقت ور ہوتے ہیں۔ پھر بھلا بِلّیاں یہ دستاویز کُتّوں سے کیسے چھین سکتی تھیں۔ چناں چہ اُنھوں نے ایک ایسی بِلّی کو یہ دستاویز چُرانے کا حکم دیا جو کُتّوں کے پاس ہی رہتی تھی۔ اُس نے موقع پا کر یہ

دستاویز اُڑالی اور کِسی کو بھی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

بِلّیوں کو اِس دستاویز سے سخت نفرت تھی۔ جُوں ہی دستاویز اُن کے ہتھّے چڑھی، اُنہوں نے اُسے چیر پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ایک ایسے مکان میں پھینک آئیں جہاں کاٹھ کباڑ اور فالتو سامان پڑا رہتا تھا۔

یہاں ایک چُوہے نے اُس دستاویز کو دیکھ لیا اور بھاگم بھاگ اپنے دوستوں کو جا کر یہ بات بتائی کہ وہ مشہور دستاویز، جس پر کُتّے اِتنا فخر کرتے ہیں، بِلّیاں ردّی کے ایک ڈھیر پر پھینک گئی ہیں۔

اب چُوہوں کا ایک بڑا جلسہ ہوا اور اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ خواہ کُچھ ہو، اِس دستاویز کو واپس بِلّیوں یا کُتّوں کے پاس نہیں جانا چاہیے، بلکہ اب وُہ چُوہوں کے قبضے ہی میں رہے۔

بڑی بحث ہوئی، دلیلیں دی گئیں، تقریریں ہوئیں۔ آخر میں ایک لمبی دُم اور جھُکی کمر والا چُوہا آگے آ کر بولا۔ "دوستو، میں بُہت غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اِس دستاویز کو کُتّوں اور بِلّیوں کے پاس جانے سے روکنے کا ایک ہی

طریقہ ہے کہ ہم اِس کو کُتر کُتر کر کھا جائیں۔ پھر بھلا ہم سے اِسے کوئی کیسے چھین سکے گا۔"

یہ تجویز سب کو پسند آئی۔ وُہ بھاگے بھاگے وہاں گئے جہاں دستاویز پڑی تھی اور اُسے کھا کر چٹ کر گئے۔

اُدھر کُچھ دِنوں بعد کُتّوں نے جلسہ کیا اور جس کُتّے کے پاس دستاویز تھی اُس سے کہا کہ دستاویز پیش کی جائے۔ تب پتا چلا کہ دستاویز تو بِلّیوں نے چُرا لی ہے۔ یہ سُنتے ہی کُتّے بِلّوں پر چڑھ دوڑے۔

پہلے پہل تو بِلّیاں جھُوٹ بول گئیں کہ ہمیں تو کُچھ پتا ہی نہیں۔ لیکن جب کُتّوں نے اُنہیں دانت دِکھائے تو اُنہوں نے تسلیم کر لیا کہ دستاویز وُہ لے گئی ہیں اور جلد واپس کر دیں گی۔

اب بِلّیاں ردّی کے اُس ڈھیر کی طرف دوڑیں جہاں اُنہوں نے یہ دستاویز پھاڑ کر پھینکی تھی۔ لیکن وہ غائب تھی، البتّہ بِلّیوں کو وہاں پر چُوہوں کے دوڑنے بھاگنے کے نشانات نظر آئے۔ بِلّیوں نے چُوہوں سے جا کر پُوچھا کہ یہ کِس کی

شرارت ہے؟

چُوہوں نے بات چھُپانے کی کوشش کی۔ لیکن جب ثابت ہو گیا کہ چُوہوں کے سوا وہاں کوئی نہیں گیا تو وہ مان گئے۔ لیکن اُنہوں نے بِلّیوں کو بتایا کہ وہ دستاویز اُنہیں نہیں مِل سکتی، کیوں کہ وہ تو اُن کے پیٹ میں پہنچ چکی ہے۔

جب کُتّوں کو اِس بات کا پتا چلا تو بِلّیوں پر بہُت غصّہ آیا۔ تب سے اب تک کُتّے بِلّیوں سے نفرت کرتے ہیں اور اُنہیں دیکھتے ہی اُن کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ اُدھر بِلّیوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ چُوہوں کو دیکھتے ہی نہ صرف اُن کے پیچھے بھاگتی ہیں بلکہ اُن کو کچّا چبّا جاتی ہیں۔